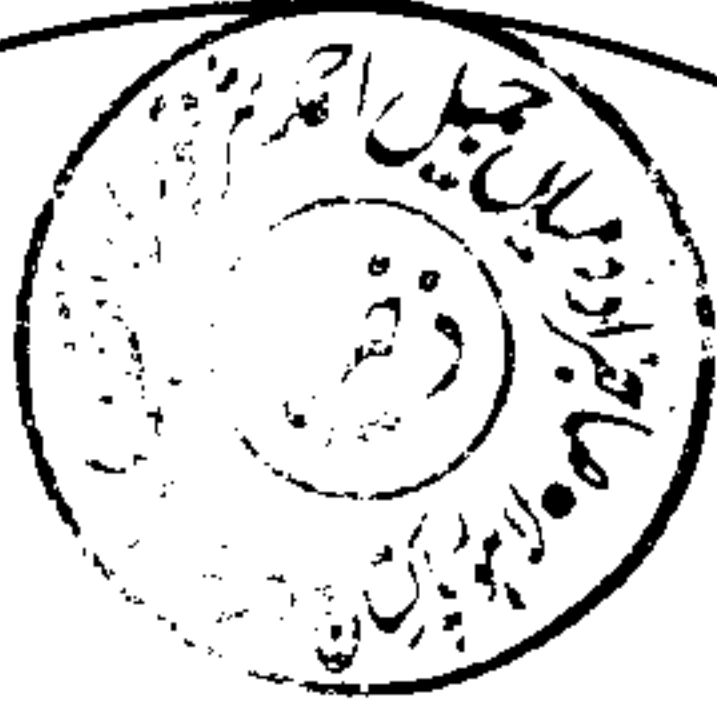


دریں قرآن

ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر

جماعت اہلسنت پاکستان



درس قرآن

49671

ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر

جماعت اہلسنت پاکستان

81334

درس قرآن

کتاب:

صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر

مصنف:

محمد حسین قریشی

زیر اہتمام:

ایک ہزار

تعداد:

۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء اپریل

اشاعت اول:

۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء دسمبر

اشاعت دوم:

عنتیق محمد میڈیٹھائی کمپیوٹر کمپوزرس حیدرآباد فون 785015

کمپیوٹر کمپوزنگ:

الائیڈ پرنٹنگ کارپوریشن گاڑی کھاتہ حیدرآباد 616523-616423

مطبع:

۳۵ روپے

قیمت:

ملنے کا پتہ

رکن الاسلام جامعہ مجددیہ، آزاد میدان ہیر آباد حیدرآباد، پاکستان

محمودیہ بک فاؤنڈیشن بل مقابل الائیڈ سنیمہ حیدرآباد

فون: 618744 گھر: 617607

آیت نمبر	آیات مبارکہ	صفحہ
۱	اللہ لا الہ الا هو لیجمعنکم الی یوم القیامۃ لاریب فیہ	۵
۲	ان عبادی لیس لک علیہم سلطان وکفی بربک وکیلا	۷
۳	و اذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس	۹
۴	انا ارسلناک شاهدا و مبشرا و نذیرا لتؤمنوا باللہ و رسوله	۱۳
۵	ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول اللہ و خاتم النبیین	۱۷
۶	قل ان کتتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم	۲۰
۷	واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من الایہ	۲۳
۸	ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء ولكن لا تشعرون	۲۵
۹	قد جائکم من اللہ نور و کتاب مبین	۲۸
۱۰	یا نساء النبی لستن کاحد من النساء الایہ	۳۱
۱۱	فقال الذین کفروا من قومہ ما نراک الا بشرا مثلنا	۳۴
۱۲	عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول	۳۷
۱۳	و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین	۳۹
۱۴	لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا	۴۲
۱۵	قال فخذ اربعة من الطیر فصر عن الیک ثم اجعل الایہ	۴۷
۱۶	فلما احس عیسیٰ منهم الکفر قال من انصاری الی اللہ	۵۲
۱۷	و لو انہم رضوا ما اتاہم اللہ و رسوله و قالوا حسبنا اللہ الایہ	۵۵
۱۸	و ابری الاکمہ والابرض و احی الموتی باذن اللہ الایہ	۵۸
۱۹	و لئن سئلتم لیتقولن انما کنا نخوض و نلعب الایہ	۶۱
۲۰	یا ایہا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسوله الایہ	۶۴
۲۱	یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ... الایہ	۶۷
۲۲	یا ایہا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرونا و اسمعوا الایہ	۷۲
۲۳	فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم الایہ	۷۵
۲۴	و منهم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منها رضوا الایہ	۷۷
۲۵	و لو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ الایہ	۷۹
۲۶	و قال لهم نبیہم ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت الایہ	۸۵

۹۰	قل بفضل الله و برحمته فبذلك فليفرحوا.....الآيه	۲۷
۹۵	و توكل على العزيز الرحيم الذي يراك حين تقومالآيه	۲۸
۹۹	و قال الذي عنده علم من الكتاب انا اتيك بهالآيه	۲۹
۱۰۲	حتى اذا اتوا على واد النمل قالت نملة يا ايها النملالآيه	۳۰
۱۰۶	لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة.....الآيه	۳۱
۱۰۸	وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحاتالآيه	۳۲
۱۱۱	والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا...الآيه	۳۳
۱۱۵	انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا	۳۴
۱۱۷	ربنا اغفر لي و لوالدي و للمؤمنين يوم يقوم الحساب	۳۵
۱۲۳	و قال ربكم ادعوني استجب لكمالآيه	۳۶
۱۲۵	ان الصفا والمروة من شعائر الله	۳۷
۱۲۸	يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولى الامر منكم	۳۸
۱۳۱	و اذا قرء القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون	۳۹
۱۳۴	ادعوا ربكم تضرعا و خفية انه لا يحب المعتدين	۴۰
۱۳۷	قد افلح المؤمنون الذين هم فى صلاتهم خاشعون	۴۱
۱۴۰	و من الاعراب من يؤمن بالله و اليوم الآخر ... الآيه	۴۲
۱۴۲	قد خسر الذين قتلوا اولادهم سفها بغير علم الآيه	۴۳
۱۴۵	و جعلنا فى قلوب الذين اتبعوه رافة و رحمة و رهبانيةالآيه	۴۴
۱۴۸	و التى احصنت فرجها فنفتحنا فيها من روحناالآيه	۴۵



پیش لفظ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس زمانہ میں بعض ایسے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف نئے نئے نظریات و افکار ایجاد کر کے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کر رہے ہیں اور اس طرح اسلام کو کمزور کرنے کی یہودی اور صیہونی سازشوں کے آلہ کار بن رہے ہیں۔ ظاہر ہے ایک مسلمان قرآن و سنت کے خلاف ایسی باتوں کو کب قبول کر سکتا تھا چنانچہ اس کے لیے ایک سازش تیار کی گئی جس کے تحت قرآنی آیات اور احادیث کے غلط معانی بیان کر کے اس کے ذریعہ اپنے غلط اور باطل نظریات کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جانے لگا۔ تاکہ عوام میں ان باطل افکار کو پذیرائی مل سکے۔ ایک سیدھا سادہ عام مسلمان جس کا دل قرآن و حدیث کی محبت سے لبریز ہوتا ہے لیکن وہ قرآن و حدیث کی زیادہ معلومات نہیں رکھتا اس فریب اور دھوکہ میں آکر ان باطل عقائد اور نظریات کو قرآن و حدیث کا حقیقی منشاء اور حکم سمجھنے لگا اور اس پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا اور جنت کی امید لگا کے بیٹھ گیا۔ لیکن اسے کیا پتہ کہ یہ عقائد و نظریات جنت کی طرف نہیں بلکہ جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا نہیں بلکہ اس کے غضب و عتاب کا باعث بن رہے ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے میں نے اس قسم کے عقائد اور نظریات و افکار کے متعلق قرآن سے آیات منتخب کر کے ”درس قرآن“ کے نام سے اس کتاب میں یکجا کر دی ہیں۔ جس میں ہر آیت مبارکہ کا ترجمہ، اس کی مختصر

سی تفسیر اس سے جو فائدہ اور سبق ہمیں ملتا ہے اس کو ذکر کر دیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس مسئلہ اور عقیدہ کے متعلق قرآن ہی کی آیات اور احادیث پیش کر کے بعض گروہوں نے جو غلط فہمیاں پیدا کر دی تھیں ان کی طرف بھی مع ان کی دلیل کے اشارہ کر کے الحمد للہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا مختصر سا جواب بھی تحریر کر دیا ہے تاکہ لوگ گمراہی کے گڑھے میں گر کر جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ اور قرآن و حدیث کا بتایا ہوا سچا و سیدھا اور صحیح راستہ اختیار کر کے اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی سے ہمکنار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو اپنی اور اپنے محبوب کی بارگاہ میں شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ اور اس کو اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا کر میرے گناہوں کی بخشش اور اپنی بے پایاں رحمت کا بہانہ بنا دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

عاصی و خطاکار، رحمت رب کا امیدوار

ابوالخیر محمد زبیر

آزاد میدان ہیر آباد حیدر آباد

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

۱۵ فروری ۱۹۹۷ء

بروز جمعرات

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آیت نمبر (۱)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَضَلُّ مِنْ اللَّهِ خَلِيفًا
اللہ ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ ضرور تمہیں جمع
کرے گا قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں۔ اور کون ہے جس کی بات اللہ
کی بات سے زیادہ سچی ہو (سورہ نساء، پارہ ۵، آیت ۸۷)

فائدہ:۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ
سچا کوئی نہیں کیونکہ دنیا میں اگرچہ بہت سے لوگ سچے ہیں وہ جھوٹ بولتے نہیں
لیکن جھوٹ ”بول تو سکتے“ ہیں۔ ان کا جھوٹ بولنا ممکن تو ہے وہاں جھوٹ کا
امکان تو پایا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے اور وہ اتنا سچا ہے
کہ وہاں جھوٹ کا امکان ہی نہیں۔ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر
اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو تو اس میں اور ہم میں کیا فرق رہے گا.....؟ کیونکہ
اولیاء و صوفیاء بھی جھوٹ نہیں بولتے اس ہی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن
نے فرمایا کہ اللہ سے زیادہ کوئی سچا نہیں کہ بعض لوگ اگرچہ جھوٹ نہیں بولتے
لیکن وہاں جھوٹ کا امکان ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات میں جھوٹ کا امکان بھی

نہیں۔ اس کا جھوٹ بولنا محال اور ناممکن ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور اس آیت پر بھی ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ---- ”اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے“ ---- حالانکہ امام رازی جیسے عظیم مفسر اور محقق اپنی کتاب تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ ”عقلاء“ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب اور جھوٹ سے بالکل پاک اور منزہ ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کذب اور جھوٹ اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے وہ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ وہ خدا پر جھوٹ کا گمان بھی کرے بلکہ ایسا کرنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۷۹)

اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جھوٹ بولنا ایک عیب ہے اور نقص ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اس کی ذات میں کسی عیب کا پایا جانا محال ہے۔ لہذا کذب اور جھوٹ جیسے بدترین عیب کا پایا جانا بھی محال ہوگا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے وہ سخت ترین اپنے رب کی بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بے ادبی اور ایسے بے ادب گروہ سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

..... وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ اتَّخَذَ عَلَيَّ الْكُفْبًا أَوْ كَتَبَ بآيَاتِي أَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمِينَ

..... اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے بیشک ظالم فلاح نہیں پائیں گے (سورہ انعام، پارہ ۷، آیت ۲۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے لیے جھوٹ ثابت کرتے ہیں وہ بہت بڑے ظالم ہیں اور ظالموں کو فلاح نہیں ملتی۔ لہذا اللہ کے لیے جھوٹ ثابت کرنے والے بھی فلاح نہیں پائیں گے۔

آیت نمبر (۲)

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا

(اے شیطان) بیشک جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں

اور تیرا رب کافی ہے حفاظت کرنے کو (سورہ بنی اسرائیل، پارہ ۱۵، آیت ۶۵)

فائدہ:۔۔۔ اس آیه مبارکہ میں ”عبادی“ یعنی اللہ کے خاص بندوں

سے مراد انبیاء اور الیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے متعلق شیطان سے فرما رہا

ہے کہ تو دوسرے لوگوں کو گمراہ کر لے گا لیکن جو میرے خاص بندے انبیاء اور

اولیاء ہیں ان پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ اور تو ان کو گمراہ نہیں کر سکتے گا۔ کیونکہ

وہ تو میری حفاظت میں ہیں۔ میں ان کی حفاظت کے لیے کافی ہوں۔ اس سے

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہیں اور اولیاء کرام گناہوں سے

محفوظ ہیں۔ کیونکہ انسان سے گناہ شیطان کے بہکانے کی وجہ سے سرزد ہوتے

ہیں۔ جب شیطان ان کو بہکا ہی نہیں سکے گا تو گناہ بھی ان سے ظاہر نہیں ہوں

گے۔ اسی کو ”عصمت انبیاء“ کہتے ہیں۔ یعنی اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے

کہ اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد کسی زمانہ میں کسی وقت بھی

کسی نبی سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہو سکتا۔ اور نہ گناہ صغیرہ عدا سرزد ہو سکتا

ہے۔

ان گناہوں کا صادر ہونا نبی سے محال اور ناممکن ہے۔ اسی کو معصوم

ہونا کہتے ہیں۔ جب کہ محفوظ کے معنی یہ ہیں کہ گناہ ہو تو سکتے ہیں لیکن ان سے

سرزد ہوتے نہیں ہیں۔ یہ اولیاء کی شان ہے۔ جب کہ نبیوں کی شان یہ ہے کہ ان

سے گناہ صادر ہی نہیں ہو سکتے۔ ان سے گناہوں کا صادر ہونا ناممکن اور محال

ہے۔ لہذا نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اور ولی گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے۔

آیت نمبر (۳)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ
الْكَافِرِينَ

اے محبوب یاد کیجئے جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو
سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ منکر ہوا اور اس نے تکبر کیا اور کافر ہو گیا
(سورہ بقرہ، پارہ ۱، آیت ۳۴)

فائدہ:--- قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے چند فوائد اور سبق
ہمیں حاصل ہوئے ☆ مفسرین فرماتے ہیں ”واذ“ میں اذکر کا لفظ محذوف ہے۔
آیت کے معنی ہیں کہ اللہ نے فرمایا ”اے محبوب یاد کیجئے“ یاد اسی کو دلایا جاتا
ہے جس کو پہلے سے اس بات کا علم ہو اور وہ شے اور واقعہ اس کا دیکھا بھالا
ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضور سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ
وسلم کو آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے سجدہ کرنے کا واقعہ یاد دلا رہا ہے جو
ابتدائے آفرینش کا واقعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ اور جو کچھ ماضی
میں واقعات ہو چکے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نگاہ ان سب پر
بھی تھی۔ اور ماضی کا کوئی واقعہ کوئی شی کوئی بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ
وسلم سے مخفی نہیں تھی۔ بلکہ ماضی حال اور استقبال یعنی ابتدائے آفرینش سے
لے کر قیامت تک کی ہر شی کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
آلہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا۔

اسی لیے صاحب تفسیر روح البیان لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ
و آلہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق ہیں اس لیے جو کچھ اللہ نے
پیدا فرمایا ان سب کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم مشاہدہ فرما رہے تھے۔

ارواح کو نفوس کو اجسام کو نباتات و جمادات کو حتیٰ کہ حضرت آدم کے پیدا ہونے کو فرشتوں کے ذریعہ ان کی تعظیم کرانے کو جنت سے ان کے علیحدہ ہونے کو اور پھر ان کے توبہ کرنے کو ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گزرا الغرض ہر چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کا وہ نور جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا وہ ہرشی کو اور ہر واقعہ کو دیکھ رہا تھا۔ اسی لیے قرآن میں حضور سے کہیں حضرت آدم کے واقعہ کے لیے فرمایا کہ اس کو یاد کیجئے تو کہیں ”واذ قال موسیٰ لقومہ“ فرما کے حضرت موسیٰ کے واقعہ کو یاد دلایا۔ معلوم ہوا تمام واقعات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے سامنے ہو رہے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کو سب چیزوں کا علم تھا (تفسیر روح البیان پارہ ۲۶، سورہ فتح)

اس لیے تفسیر کی سب سے معتبر کتاب تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ
 الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ..... میں انسان سے
 مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ذات گرامی ہے اور اس آیت کا
 مطلب یہ ہے کہ رحمن نے انسان کامل یعنی حضور سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ و آلہ و سلم کو ماکان و مایکون یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے تمام
 اگلے اور پچھلے امور کا بیان سکھا دیا (تفسیر خازن - سورہ رحمن)

☆ اس آیت سے دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ابلیس کتنا بڑا عالم اور
 کتنا بڑا عابد تھا لیکن اس کو حضرت آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا جو
 انتہائی عاجزی و انکساری اور کسی کی انتہائی تعظیم کرنے کا نام ہے۔ لیکن اس
 نے سجدہ سے انکار کر دیا اور نبی کی تعظیم نہ کی تو اس کا سارا علم اور ساری
 عبادت اس کے منہ پر ماری گئی۔ اور اس کو رب نے اپنے در سے دھتکار دیا
 اور فرما دیا کہ وہ کافر ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ خدا کے یہاں سب سے اہم چیز اس

کے پیارے بندوں کا ادب و احترام ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا موحد کیوں نہ ہو کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرتا ہو لیکن اگر اس کے پیاروں کا ادب نہیں کرتا تو نہ اس کا علم مقبول ہے اور نہ اس کی کوئی عبادت مقبول ہے۔ توہین کے باعث اس کی سب چیزیں بے کار ہیں۔ وہ عالم اور عارف ہونا تو درکنار وہ مسلمان بھی نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے۔ لہذا انبیاء اور اولیاء کا ادب اختیار کرنا چاہیے۔ ان کی تعظیم کرنی چاہیے کہ اسی میں خدا کی رضا مضمحل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قرآن میں سات بار بیان کر کے اس کی اہمیت بیان کر دی کہ خبردار نبی کی تعظیم سے ذرا بھی غافل نہ ہونا۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا انجام بھی ابلیس جیسا ہو جائے۔

☆ یہاں یہ بات بھی پتہ چل گئی کہ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا عالم پیر مفکر اور محقق اور عابد و زاہد ہی کیوں نہ ہو ہمیں اس کے علم اور زہد و عبادت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس سے دھوکہ کھانا چاہیے۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ شخص بزرگ اور عالم انبیاء و اولیاء کا ادب کرتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کی تحریر یا تقریر یا گفتگو میں کہیں بھی ذرا سی اللہ کے پیاروں کی بے ادبی کی بو آئے تو فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شیطان کی ذریت میں سے ہے۔ یہ اللہ کا مقبول بندہ نہیں بلکہ اس کے پیاروں کی بے ادبی کے باعث اس کے در سے دھتکارا ہوا شیطان ہے۔ اگر اس میں ادب نہیں تو اس کا علم اور زہد و عبادت سب بیکار ہے۔ نہ یہ اقتداء کے لائق ہے اور نہ احترام کے قابل۔

☆ یہاں سے ایک یہ بات بھی پتہ چلی کہ تکبر اتنی بری چیز ہے کہ کفر تک لیجاتی ہے۔ شیطان نے تکبر کیا اور حضرت آدم کو تکبر سے سجدہ نہ کیا تو وہ کافر ہو گیا۔ اس کا سارا علم اور ساری عبادتیں رائیگاں چلی گئیں۔ لہذا تکبر سے بچنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے کسی قول سے کسی فعل سے کسی طرز و

اداء سے کوئی تکبر و نخوت اور غرور کی بو نہ آنے پائے۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے کہ..... **إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِينَ**..... اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ فرعون جیسے خدائی کے دعویٰ کرنے والے بڑے بڑے متکبرین کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر دیا۔ کہیں اس تکبر کی وجہ سے تم بھی تباہ و برباد نہ ہو جاؤ۔

☆ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے ناموں کا علم عطاء کر کے ملائکہ پر ان کی علمی برتری کا اظہار فرمایا اور اس کے بعد ملائکہ کو ان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا اس سے ثابت ہوا کہ علم کو بڑی فضیلت حاصل ہے اور یہ وہ چیز ہے جس نے حضرت آدم کی ملائکہ پر برتری ثابت کر کے ان کو مسجود ملائکہ بنا دیا۔ لہذا اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ تم بھی علم سے اپنے قلب کو روشن کرو تاکہ سارے جہاں کے قلوب بھی تمہاری طرف جھکیں۔ اسی مقام کو حدیث پاک میں بیان کیا گیا کہ عالم کے لیے دریا کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔ یہ اشارہ ہے اس طرف کہ علم کے باعث صرف انسان ہی نہیں بلکہ خدا کی ساری خدائی اس سے محبت کرنے لگتی ہے اور اس کی مطیع و فرمانبردار بن جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو شخص پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو لے کر آگیا تھا۔ اس کے متعلق بھی قرآن فرماتا ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کا وہ عالم تھا جس کو کتاب کا تھوڑا سا علم تھا۔..... **قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ**..... گویا بتانا یہ مقصود تھا کہ جس کو تھوڑا سا کتاب کا علم آگیا ہو اس کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ زمین اور ہوا بھی اس کی اطاعت کر رہی ہے تو جو پوری کتاب کا علم حاصل کریگا اس کی طاقت و قدرت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔

☆ اگر کوئی عاشق میلاد شریف کی محفل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

آلہ وسلم اور ان کے ذکر کی تعظیم میں کھڑا ہو جائے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مشرک ہو گیا۔ اس کا ایمان چلا گیا۔ لیکن اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ کے پیاروں کی تعظیم کرنے سے ایمان نہیں جاتا بلکہ تعظیم نہ کرنے سے ایمان جاتا ہے۔ اللہ کے پیاروں کی تو یہ شان ہے کہ ان کی تعظیم سے ایمان جاتا نہیں بلکہ جس کے پاس ایمان نہ ہو اس تعظیم کی برکت سے اس کو ایمان مل جاتا ہے۔ دیکھیے جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جب میدان میں آئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ کا صرف اتنا ادب کیا کہ ان سے پوچھ لیا اَمَّا اَنْ تُلْقَىٰ وَاَمَّا اَنْ نَّكُونَ نَحْنُ الْمَلِیْقِیْنَ آپ اپنا عصا پہلے ڈالتے ہیں یا ہم ڈالیں (پارہ ۴) اللہ تعالیٰ نے اس ادب کی وجہ سے ان کو دولت ایمان سے مالا مال کر دیا اور وہ سب حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے۔ تفسیر جمل اور صاوی نے اس نکتہ کو بیان فرمایا ہے۔ اور مولانا روم رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اپنے انداز میں اس کو بیان فرماتے ہیں۔

اس قدر تعظیم دیں شاں را خرید
و زمرے آل دست و پاہا شاں برید

آیت نمبر (۴)

اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا تَتُوبُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعْزِزُوهُ وَتُقِرُّوهُ وَتَسْبِّحُوهُ بِكُرَّةٍ وَّاَصِيْلًا

اے نبی بیشک ہم نے آپ کو مشاہدہ فرمانے والا خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو (سورہ فتح، آیت نمبر ۹)

فوائد:--- اس آیت مبارکہ سے چند فوائد اور سبق ہمیں حاصل

ہوئے۔ سب سے پہلی اور اہم بات تو یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے محبوب کو اطاعت کرنے والوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور نافرمانوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ یعنی ہم نے ان کو دین اسلام کے احکامات دے کر بھیجا۔ اب اس دین اسلام کے بھیجنے کی تین وجہ بیان کی گئی کہ اس دین اسلام کے بھیجنے اور قرآن کے نازل کرنے کا مقصد صرف تین باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ اور تیسرا یہ کہ اللہ کی عبادت کی جائے۔ اس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کی اہمیت کا پتہ چلا کہ آپ کی تعظیم و توقیر دین اسلام کا مقصد اولین ہے یعنی یوں کہہ سکیں کہ دین کی روح اور ایمان کی جان ہے۔ بقول علامہ اقبال علیہ الرحمہ۔

مغز قرآن روح ایمان جان دین

ہست حب رحمت للعالمین

جس کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ادب نہیں اس کے پاس نہ دین ہے نہ ایمان۔ نہ توحید ہے نہ اسلام۔ خواہ وہ کتنا ہی عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔ اگر تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہیں تو کچھ نہیں۔ اسی لیے ابن تیمیہ نے لکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی دین و ایمان کے منافی ہے۔ جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی اس نے تمام دین کو قائم کر دیا۔ اور جس نے آپ کی توہین کی اس نے دین کو ساقط کر دیا اور گرا دیا (الصارم ص ۲۱۱)

☆ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کو دین و

ایمان کا مقصد اولین قرار دینے کے بعد وَتَعَزُّوْهُ وَتُقِرُّوْهُ
 فرما کے امر کے صیغہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی تعظیم و توقیر
 کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی تعظیم و توقیر فرض ہے۔ اگر کسی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ و آلہ و سلم کی ادنیٰ سی بھی گستاخی کر دی تو وہ ایمان سے نکل جائے گا۔ خواہ
 وہ کتنا ہی بڑا علامہ ہو محقق ہو غایب ہو یا زاہد ہو۔ اس کا علم اور عبادت اس کے
 کچھ کام نہیں آئے گا۔ رب کو اپنے محبوب کی ادنیٰ سی گستاخی بھی گوارا نہیں۔
 اسی لیے دوسرے مقام پر قرآن میں نبی کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر تم
 سے اتنی سی بے ادبی بھی ہو گئی کہ نبی کی آواز سے تمہاری آواز اونچی ہو گئی تو
 تمہارے سارے اعمال بے کار چلے جائیں گے۔ جتنی تم نے نیکیاں کی ہیں سب
 برباد ہو جائیں گی۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ادنیٰ سی
 گستاخی بدترین کفر اور خدا کے سخت غضب اور ناراضگی کا باعث بنتی ہے۔

☆ اس آیت میں پہلے ایمان کا ذکر ہے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
 آلہ و سلم کی تعظیم و توقیر کا اور آخر میں اللہ کی تسبیح و تقدیس یعنی اس کی عبادت،
 کا۔ قرآن نے ان تینوں باتوں کو اس ترتیب سے ذکر فرما کے اس طرف اشارہ
 کر دیا کہ پہلے ایمان ہونا چاہیے پھر تعظیم رسول ہو تو وہ کارآمد ہے اور مفید ہے۔
 اگر ایمان کے بغیر تعظیم رسول کی تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے ہندو یا عیسائیوں
 اور انگریزوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی شان میں کتابیں لکھی
 ہیں۔ بہت سے اشعار لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ
 و سلم پر ایمان نہیں لائے اس لیے ان کی اس تعظیم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ
 دراصل دکھاوے کی تعظیم ہے ورنہ اگر حقیقت میں ان کے دل میں حضور صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی تعظیم ہوتی تو ضرور اسلام لے آتے۔ پھر قرآن میں

تعظیم رسول کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر پہلے تمہارے دل میں تعظیم رسول ہوگی تو اس کے بعد جو تم عبادت کرو گے اس کا فائدہ ہوگا اور وہ عبادت تمہاری مقبول ہوگی۔ اور اگر بغیر تعظیم رسول کے تم نے عبادت کی تو اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تمہارے منہ پر ماری جائے گی۔ خواہ ساری زندگی عبادت اور تبلیغ میں گزارو اور لاکھوں کروڑوں روپے اللہ کی راہ میں خرچ کرو لیکن یاد رکھنا اگر تعظیم رسول نہیں تو کوئی نیکی بھی تمہارے کام نہیں آئے گی۔ ثابت ہوا کہ اچھے اور نیک اعمال کی قبولیت کا دار و مدار تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر ہے۔

☆ اب سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی کتنی

تعظیم کی جائے.....؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مطلقاً فرمایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو۔ اس میں کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ لہذا اسلام میں جن چیزوں کو حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ مثلاً سجدہ وغیرہ۔ اس کو چھوڑ کر ہر قسم کی تعظیم کرنے کا ہمیں حکم ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذات و صفات کی تعریف کرنا، اس کی شان بیان کرنا، اس میں عیب نہ نکالنا، ان کے نام کی تعظیم کرنا، کہ اس کو سن کر انگوٹھے چومنا، ان کے ذکر کی تعظیم کرنا، کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا، ان سے نسبت رکھنے والی ہر شی کا احترام کرنا، یعنی صحابہ و اہل بیت و اولیاء و صلحاء، مکہ مدینہ، مدینہ کے شجر و حجر، بلکہ اس کی خاک، الغرض ہر چیز کا ادب و احترام کرنا، اس آیت کی رو سے ہر مسلمان پر ضروری ہو گیا۔ (لہذا جو محبت سے ان چیزوں کو آنکھوں سے لگاتا ہے اور ہونٹوں سے چوم کر ان کی تعظیم و تکریم کرتا ہے وہ دراصل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرتا ہے اور اللہ کے اس فرمان پر عمل کر کے اللہ کا پیارا بن جاتا ہے۔ اور جو ان کا ادب و

احترام نہیں کرتا وہ درحقیقت تعظیم رسول سے انکار کر کے غضب خداوندی کو دعوت دیتا ہے)

☆ بعض لوگ عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم سے کہتے ہیں کہ تم تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی تعریف اور توقیر میں بہت مبالغہ کرتے ہو۔ حد سے زیادہ بڑھا دیتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تو قرآن پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں **وَتَعَزَّوْهُ وَتُوقِرُّوْهُ** فرما کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور قاضی عیاض و مبرد جیسے عظیم نحوی کے نزدیک ”تعزروہ“ کے معنی ہی یہ ہیں کہ انکی تعظیم میں مبالغہ کرو (شفاء شریف جلد ۲، ص ۲۹) دوسری بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے کمالات کی تو کوئی حد ہی نہیں جو تعریف کرو گے حد میں رہے گی، حد سے بڑھ ہی نہیں سکتی۔

آیت نمبر (۵)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَّ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

فائدہ:--- اس آیت مبارکہ نے واضح طور پر بتا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ**

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيَتْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا..... یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔ معلوم ہوا کہ جب دین اسلام مکمل ہو گیا اور اللہ کی نعمت تمام ہو گئی۔ تو اب کسی نئے نبی کے ذریعہ کسی نئے دین کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ یہ اللہ کے آخری نبی کے ذریعہ آخری شریعت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطاء فرمائی ہے جو قیامت تک کے لیے ہے۔ اب اس تکمیل نعمت کے بعد نہ دوسری کوئی شریعت آئے گی نہ دوسرا کوئی دین آئے گا اور نہ کوئی دوسرا نیا نبی آئے گا.....! اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے بعد کوئی شخص کسی قسم کے بھی یعنی ظلی بروزی اصلی عارضی کسی طرح کے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا اور مرتد ہے۔ اور اس کے ماننے والے بھی مرتد اور کافر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مقام پر فرمایا کہ..... اَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ..... کہ میں آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو (ابن ماجہ ص ۳۰۷)

یہ ایک اہم بات ذہن نشین کر لی جائے کہ آیہ مبارکہ اور احادیث میں جو آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم آخری نبی ہیں اب آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیاء سابقین جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے نبوت ملی ہے وہ بھی نہیں آسکتے یا زندہ نہیں رہ سکتے۔ مثلاً قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر سے زمین پر تشریف لائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق کتابوں میں آتا ہے کہ وہ بعض علماء کے نزدیک نبی ہیں اور آج بھی زندہ ہیں۔ لیکن یہ نبی اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں آئیں گے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ

سلم کے امتی بن کر رہیں گے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی شریعت پر عمل کریں گے۔ ان کا زندہ رہنا یا آسمانوں پر سے آنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ”ختم نبوت“ کے خلاف نہیں۔

اسی پر قیاس کر کے کوئی جھوٹا نبی اگر یہ کہنے لگے کہ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح میرے نبی بن کر آنے سے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تو یہ اس کا قیاس غلط ہوگا کیوں کہ خاتم النبیین کے یہ معنی نہیں کہ پچھلے نبی زندہ بھی نہیں رہیں گے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خالد کے لیے کہا جائے کہ یہ زید کا آخری لڑکا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کے یہاں سب سے آخر میں یہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ پہلے جتنے لڑکے ہیں وہ سب فوت ہو گئے۔ بلکہ بعض دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ یہ آخری لڑکا پہلے مر جاتا ہے اور پہلے والے بعد تک زندہ رہتے ہیں۔ بلا تشبیہ و بلا تمثیل اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کو فرمایا کہ یہ میرے تمام نبیوں کے آخر میں آئے گا۔ یعنی اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس سے پہلے جن کو نبوت ملی ہے وہ اگر ان کے زمانہ میں زندہ رہیں یا آسمانوں پر سے تشریف لے آئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے ”آخری نبی“ ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر کوئی نیا نبی آیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کو آخری نبی کہنا غلط ہو جائے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قول کبھی غلط ہو نہیں سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے بعد کوئی نیا نبی قیامت تک آہی نہیں سکتا.....!

آیت نمبر (۶)

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
 اے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم) آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو
 اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب
 بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم
 فرمانے والا ہے (سورہ آل عمران، پارہ ۳، آیت ۳۱)

فائدہ:--- اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی بخشش
 اور اللہ کا محبوب بننے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی اتباع کی جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم تو ہمارے سامنے نہیں۔ اب ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ و آلہ و سلم کی کیسے اتباع کریں.....؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی احادیث ہمارے سامنے موجود ہیں۔ جن میں
 حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے اقوال و اعمال اور افعال کا ذکر ہے۔ تو
 گویا احادیث کی صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کا پیکر جمال
 ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب ہم ان کو دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ
 و سلم کی اتباع کر سکتے ہیں اور اللہ کے محبوب بن سکتے ہیں۔

بعض گروہ اور فرقے ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو احادیث کو نہیں
 مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے صرف قرآن کافی ہے۔ احادیث چونکہ ناقابل
 اعتماد ذرائع سے پہنچی ہیں لہذا ان پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں۔ لیکن
 مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے اس نظریہ اور عقیدہ کا رد ہو رہا ہے۔ کیونکہ اللہ
 تعالیٰ نے مغفرت و نجات اور اپنی محبوبیت کو موقوف کر دیا ہے حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی اتباع پر اور ظاہر کہ اب احادیث کے بغیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کا اتباع ممکن نہیں.....! لہذا ماننا پڑے گا کہ احادیث کو مانے بغیر اور ان پر عمل کیے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اور قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر صرف قرآن پر عمل کرنا کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہاں یہی فرماتا کہ میرے قرآن پر عمل کرلو۔ لیکن اس کے بجائے فرمایا کہ میرے محبوب کی اتباع کرو۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ میرے محبوب کی احادیث پر بھی عمل ضروری ہے۔

اور اگر قرآن کی دوسری آیات کو دیکھا جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ بغیر حدیث کے قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے۔ وہ حدیث رسول کے بغیر قرآن پر بھی عمل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ..... ہم نے آپ کی طرف ذکر یعنی قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں سے بیان کریں جو احکام ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں۔ دوسرے مقام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَاعْلَمْتَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ..... کہ ہم نے اپنا محبوب اس لیے بھیجا ہے کہ وہ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی آیات اور مضامین کی تشریح وہ ہی اللہ کے یہاں مقبول ہے جو اس کے بھیجے ہوئے ”معلم کتاب و حکمت“ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم اس کی تشریح فرمائیں۔ کیونکہ آپ کو بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ آپ اس کی تشریح کر کے لوگوں کو بتائیں۔ لہذا اب اگر کوئی اپنے ذہن سے قرآنی آیات کے نئے نئے معانی نکالے تو وہ اس کی تشریح قابل قبول نہیں ہوگی۔ بلکہ گمراہی اور ضلالت ہوگی۔ قرآن کی تشریح وہ ہی مقبول ہوگی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم نے فرمائی ہے اسی کا نام احادیث

ہے۔ لہذا جو احادیث پر عمل کرے گا وہ ہی صحیح معنوں میں قرآن پر عمل کر رہا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل ناممکن ہے۔ دیکھیے قرآن نے تو صرف اتنا فرمایا کہ اَقِيْمُوا الصَّلٰوَةَ نماز قائم کرو لیکن نماز کسے کہتے ہیں.....؟ اس کی کیا شرائط ہیں کیا واجبات ہیں کیا فرائض و سنن ہیں.....؟ اس کا کیا طریقہ ہے.....؟ الغرض یہ کہ اذان سے لے کر رکوع و سجود اور سلام تک کے تمام افعال ہمیں احادیث سے پتہ چلے۔ اگر احادیث کو ہٹادیں اور قرآن کے حکم اَقِيْمُوا الصَّلٰوَةَ کے اپنے عقل سے معنی کریں تو لغت میں ”صلوٰۃ“ کے معنی ”تحریک الصلوٰۃ“ یعنی کولہے ہلانے کے آتے ہیں۔ تو گویا عقلی لحاظ سے ”اَقِيْمُوا الصَّلٰوَةَ“ کے معنی یہ ہوئے کہ کولہے ہلاؤ۔ یعنی خوب رقص و سرور کی محفلیں قائم کرو (معاذ اللہ) جب کہ یہ قطعاً قرآن کی منشاء نہیں بلکہ ایسا کرنا دین اسلام کے خلاف ہے۔ تو پتہ یہ چلا کہ قرآن کے احکامات مجمل ہیں اور ان کی تفصیل حدیث میں ہے۔ اور جو تفصیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ ہی اللہ کی رضا ہے۔ اور اسی پر عمل کر کے انسان اللہ کا محبوب بنے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل ہی ناممکن ہے۔

اور یہ بھی کہنا غلط ہے کہ حدیث ہمارے لیے اس لیے حجت نہیں کہ وہ ناقابل اعتماد ذرائع سے پہنچی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے اہل بیت اطہار نے اور بڑے بڑے محدثین نے ہزاروں احادیث ازبر یاد کر کے ان کو باقاعدہ لکھ کر ان پر خوب عمل کر کے جس طرح ان احادیث کی حفاظت کا اہتمام فرمایا اور بحفاظت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث ہم تک پہنچائی ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ احادیث غیر معتبر ہیں یا ان کے ذرائع غیر معتبر ہیں۔ اور اگر بالفرض منکرین حدیث کی یہ بات درست ہو تو سوال

81334

یہ ہے کہ قرآن بھی تو ان ہی ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔ اگر یہ ذرائع غیر معتبر ہیں تو پھر معاذ اللہ قرآن بھی غیر معتبر ٹھہرے گا۔ اس کا بھی انکار کر دو، اس کو کیوں مانتے ہو.....؟ اور اگر اس کو مانتے ہو تو حدیث کو بھی مانو کہ دونوں چیزیں اسی ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں..... **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ**..... فرما کے قرآن و حدیث دونوں کی اطاعت اور دونوں پر عمل کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔ اور..... **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا**..... اے لوگو میں تم سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس ارشاد نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آپ کی اطاعت صرف آپ کے زمانہ کے صحابہ پر ہی ضروری نہیں تھی بلکہ آپ ساری کائنات کے لیے رسول بن کر آئے ہیں۔ لہذا قیامت تک آنے والی مخلوق خدا کے لیے آپ کی اطاعت ضروری ہے اور آپ کے فرمان پر عمل ضروری ہے۔ اور یہ احادیث جس طرح صحابہ کے لیے حجت تھیں۔ اسی طرح ہمارے لیے بھی حجت ہیں۔

آیت نمبر (۷)

وَأَسْأَلُ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ نُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يَعْْبُدُونَ
 اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے پوچھئے کیا ہم نے رحمن کے سوا کچھ اور معبود بنائے جن کی عبادت کی جائے (سورہ الزخرف، پارہ ۲۵)
 آیت (۳۵)

نوٹ:۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب آپ ان نبیوں سے پوچھئے جو آپ سے پہلے گزر گئے ہیں کہ کیا ہم نے رحمن کے

سوا کچھ اور معبود بھی بنائے ہیں۔ جب کہ پوچھا اس سے جاتا ہے جو زندہ ہو سنتا ہو اور جواب دے سکتا ہو۔ تو جو انبیاء اس عالم سے پردہ فرما گئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت نبی کریم کے زمانہ میں ان انبیاء کو وفات پائے ہوئے ہزاروں اور لاکھوں سال ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان انبیاء سے پوچھنے کا اور سوال کرنے کا اپنے محبوب کو حکم دے رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ وفات کے بعد نئی زندگی عطاء فرمادیتا ہے۔ وہ اپنی قبروں میں زندہ بھی ہوتے ہیں۔ سوال کرنے والوں کے سوالوں اور فریاد کرنے والوں کی فریادوں کو سنتے بھی ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ اگر انبیاء اپنی قبروں میں زندہ نہ ہوتے اور جیسا کہ بعض گستاخ لوگ کہتے ہیں کہ ”انبیاء مر کر مٹی میں مل گئے وہ کچھ نہیں سن سکتے“ اگر ان کا کہنا یہ درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے محبوب کو ان انبیاء سے مخاطب ہونے اور ان سے سوال کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ کیونکہ بے جان اور بے عقل پتھروں سے مخاطب ہونا اور سوال کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں۔

☆ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انبیاء اپنی قبروں میں مقید نہیں بلکہ وہ جب چاہتے ہیں تو عالم کی سیر بھی فرماتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کے مقبول بندوں سے کلام بھی فرماتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے یہ نہیں فرمایا کہ کسی خط کے ذریعہ یا کسی تار یا ٹیلی فون کے ذریعہ ان سے پوچھئے یا ان کی قبر پر جا کر ان سے پوچھئے۔ نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی تمام انبیاء کے مزارات پر گئے۔ لہذا اس آیت کے معنی یہ بنیں گے کہ اے محبوب وہ انبیاء آپ کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ آپ کا ان سے ملنا جلنا رہتا ہے کبھی معراج کی رات ان سے مسجد اقصیٰ میں ملاقات ہو رہی ہے تو کبھی آسمانوں پر ان سے ملاقات ہو رہی ہے۔ لہذا جب بھی ان سے ملاقات ہو تو آپ

ان سے پوچھ لیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء عالم کی سیر بھی فرماتے رہتے ہیں۔ بعض لوگ جو نبیوں کی حیات اور زندگی کو نہیں مانتے وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر نبی مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں تو پھر ان کو غسل کیوں دیا گیا۔ دفن کیوں کیا گیا۔ اور پھر اللہ نے ان کے لیے یہ کیوں فرمایا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ بیشک آپ پر موت آتی ہے اور یقیناً یقیناً انہیں بھی مرنا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ روح کے جسم سے نکل جانے کا نام موت ہے اور یہ ایک دفعہ انبیاء اور اولیاء اور عام انسانوں سب کو آئے گی۔ یعنی جب کسی کا وقت آجاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم سے نکل جاتی ہے۔ اسی کو قرآن نے ”اِنَّكَ مَيِّتٌ“ اور ”كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ“ (جو بھی زمین پر ہے سب کو فنا ہے) اور ”كُلُّ نَفْسٍ فَانٍ مُّبْتَلٰۤیۡنَ“ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے سے تعبیر فرمایا۔ اور اسی کے باعث کفن دفن وغیرہ کے احکامات ان پر لاگو ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری اور انبیاء کی موت میں فرق یہ ہے کہ ہماری روح جسم سے نکل کر جسم کو چھوڑ دیتی ہے اس کی حفاظت نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے جسم گل سڑ جاتے ہیں۔ لیکن انبیاء و اولیاء کی روہیں اپنے جسموں کو چھوڑتی نہیں بلکہ اپنے جسموں سے ان کا تعلق مزید قوی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جسم گلنے نہیں۔ خراب نہیں ہوتے۔ قیامت تک قبروں میں تروتازہ رہتے ہیں۔ اور ان کی سننے دیکھنے وغیرہ کی طاقتیں پہلی زندگی سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو زندہ کہا جاتا ہے۔

آیت نمبر (۸)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ
اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں

فائدہ:۔۔۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شہید مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں۔ ان کو مردہ نہیں کہنا چاہیے بلکہ دوسرے مقام میں تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ شہیدوں کے مردہ ہونے کا گمان بھی نہ کرو۔ ان کے مردہ ہونے کا خیال بھی نہ لاؤ۔ تو یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ شہید جو اللہ اور اس کے رسول کے نام پر جان دیتا ہے جب اس کا یہ مقام ہے کہ اس کو مردہ کہنے اور مردہ گمان کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے اور اس کی ابدی حیات اور زندگی کا اعلان فرما رہا ہے تو پھر جس کے نام پر جان دی ہے وہ نبی کیوں نہ زندہ ہوگا.....؟ جب نبی کے ایک شہید امتی کی یہ شان ہے تو نبی تو اپنے امتی سے کہیں بلند و بالا مرتبہ کا مالک ہوتا ہے۔ پھر ان کے زندہ ہونے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اپنے اپنے مزارات میں زندہ ہیں اور جی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری کی شرح فتح الباری میں حیات انبیاء پر یہی استدلال فرمایا ہے۔ جب کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا زندہ ہونا ایک تو اسی طرح سے ثابت ہے کہ آپ کا شہید سے کہیں بلند و بالا مرتبہ ہے۔ جب قرآن کی اس آیت کی رو سے شہید زندہ ہیں تو ان کے آقا و مولیٰ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بدرجہ اولیٰ زندہ ہیں اور جی ہیں۔ اور دوسرے طریقہ سے آپ کا جی اور زندہ ہونا اس طرح بھی ثابت ہے کہ آپ خود شہید ہیں۔ کیونکہ مرض وفات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے خود فرمایا تھا کہ مجھے خیبر میں جو زہر آلود گوشت دیا گیا تھا جس کا میں نے ایک لقمہ کھایا تھا اس کی تکلیف مجھے ہمیشہ محسوس ہوتی رہی اور اسی کی وجہ سے آج میری رگ جان منقطع ہو رہی ہے (انباء الاذکیا فی حیاة الانبیاء، لسیوطی ص ۱۴۹ بحوالہ امام بخاری و امام بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات اس زہر کی وجہ سے ہوئی
لہذا یہ آیت مبارکہ آپ پر بھی صادق آتی ہے کہ آپ اللہ کی راہ میں مارے
گئے۔ اس لیے آپ شہید ہیں زندہ ہیں۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق آپ کو مردہ
کہنا تو دور کی بات رہی مردہ گمان کرنا بھی جائز نہیں۔ اب اگر کوئی نبی کو یہ کہتا
ہے کہ نبی مر گئے اور اب زندہ نہیں ہیں تو وہ قرآن کے خلاف کرتا ہے۔ قرآن
نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ ہی بات کہہ کر وہ خدا کے غضب اور عذاب کو
دعوت دے رہا ہے۔ تعجب ہے ایسے لوگوں پر جو شہید کی زندگی تو مان لیتے ہیں
لیکن نبی کی حیات اور زندگی کو نہیں مانتے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
آلہ وسلم کی زندگی تو شہید کی زندگی سے کہیں زیادہ ہے۔ دیکھیے شہیدوں کے
وصال کے بعد ان کی جائیدادیں تقسیم ہوتی ہیں۔ ان کی بیواؤں سے نکاح کیا
جاسکتا ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا مال نہ وراثت میں تقسیم
ہوسکتا تھا اور نہ آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ کسی مسلمان کو نکاح کرنا جائز
تھا۔ اس لیے کہ آپ زندہ تھے۔ اور کسی زندہ کی بیوی سے کوئی دوسرا نکاح نہیں
کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی حیات اور زندگی
شہید کی حیات سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر ثابت ہے۔ اسی لیے معراج کی رات
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ
اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے (بیہقی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے
فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں (ابو یعلیٰ
بیہقی فی کتاب حیات النبی) اسی لیے حضرت سعد بن مسیب فرماتے ہیں کہ جنگ
حرہ میں جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو مسجد نبوی میں میں اکیلا ہوتا تھا اور حضور صلی
اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی قبر انور سے اذان اور تکبیر کی آواز سنتا تھا (داری
/ ابو نعیم / اخبار مدینہ / طبقات ابن سعد) ثابت ہوا کہ انبیاء کرام بالخصوص

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم زندہ ہیں اور حی ہیں۔

آیت نمبر (۹)

لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ

بیشک تمہارے پاس جلوہ گر ہو گیا اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب (سورہ
مائدہ پارہ ۶، آیت ۱۵)

فائدہ:۔۔۔۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تمام متقدمین اور متاخرین
مفسرین حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم مفسر صحابی فرماتے
ہیں کہ یہاں اس آیت میں نور سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ذات
گرامی اور کتاب سے قرآن پاک مراد ہے۔ بلکہ ملا علی قاری رحمت اللہ تعالیٰ
علیہ شرح شفاء میں فرماتے ہیں کہ یہاں نور اور کتاب دونوں سے حضور صلی اللہ
تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ اور ان دونوں لفظوں کے
درمیان ”واو“ یہ عطف تفسیری ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے ایک شعر
میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

بہر حال اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
آلہ و سلم اللہ تعالیٰ کے نور ہیں۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم نے
فرمایا کہ اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے
پیدا فرمایا (مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۹ / زر قانی ج ۱ ص ۴۲ / سیرت حلبیہ ج ۱
ص ۳۷ / حجت اللہ علی العالمین ص ۲۸) تو ثابت ہوا کہ کائنات کی تخلیق سے
پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے جس نور کو پیدا فرمایا تھا وہ نور بارہ ربیع الاول کو

پیکر بشریت اور لباس آدمیت کے اندر آمنہ بی بی کے گود میں جلوہ گر ہو گیا۔
 لہذا جن آیات اور احادیث میں آیا ہے کہ آپ بشر ہیں وہ بھی درست
 ہیں اور جن میں آیا ہے کہ آپ نور ہیں وہ بھی درست ہیں۔ ہمارا دونوں پر
 ایمان ہے۔ ہم آپ کو نور بھی مانتے ہیں اور بشر بھی مانتے ہیں۔ لیکن آپ کی
 بشریت عام آدمیوں کی طرح نہیں تھی بلکہ اس نور کی وجہ سے آپ کی بشریت بھی
 مصفی و مجلی اور نورانی ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سورج اور چاند کی روشنی میں
 آپ کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ نور تھے اور نور کا سایہ نہیں
 ہوتا۔ اس بات کا اقرار مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنی کتاب امداد السلوک
 میں صفحہ ۸۵/۸۶ پر بھی کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ آپ خود بھی نور تھے
 اور دوسروں کو بھی نور دیتے تھے۔ کیونکہ قرآن میں آپ کو ”سراج منیر“ فرمایا
 گیا۔ جس کے معنی روشن کرنے والے سورج کے ہیں۔ یعنی نور دینے والا۔
 معلوم ہوا کہ آپ خود بھی نور تھے اور دوسروں کو بھی نور دیتے تھے اور ان کو بھی
 نورانی بنا دیا کرتے تھے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو سی رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کو جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لیے بھیجنے
 کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی خاص نشانی عطاء فرمادیتے
 جس سے لوگوں کو یقین ہو جائے کہ میں آپ کا بھیجا ہوا ہوں اور وہ میری بات کو
 تسلیم کر لیں۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک ان کے
 ماتھے پر رکھ دی جس سے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان کا حصہ نورانی ہو گیا
 اور چمکنے لگا۔ انہوں نے عرض کیا کہ کہیں لوگ اس کو برص کا داغ نہ خیال
 کر لیں اس نور کو کسی دوسری جگہ منتقل فرمادیتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 وسلم نے ان کی چھڑی کو اس روشن جگہ پر لگایا تو وہ روشنی اور نور اس چھڑی

میں آگیا اور وہ چھڑی چمکنے لگی (مدارج النبوة، شیخ عبدالحق) اس سے ثابت ہوا کہ آپ ایسے نور ہیں کہ دوسروں کو بھی چمکا دیتے ہیں۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے

میرا دل بھی چمکادے چمکانے والے

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

و آلہ وسلم کو کہیں بشر کہا گیا ہے تو کہیں عبد (بندہ) کہا گیا ہے جو بشر اور عبد ہوتا

ہے وہ نور نہیں ہوتا۔ لہذا آپ بشر ہیں نور نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت

جبرئیل امین جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آئے تو وہ انسانی اور بشری

صورت میں آئے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے..... فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا.....

تو ان کے سامنے وہ ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوئے (پارہ ۱۶

رکوع ۵) یہاں اس آیت میں جبرئیل امین کو بشر کہا گیا۔ قرآن کی دوسری آیت

مبارکہ ہے..... ہل عباد مکرمون..... یہاں تمام فرشتوں کو ”عبد“

اور اللہ کے بندے کہا گیا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ عبدیت و بشریت نورانیت کے

منافی نہیں۔ جبرئیل اور دیگر فرشتے جو نور سے بنے ہیں وہ ”عبد اور بشر“ کہلانے

کے باوجود نورانی رہ سکتے ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بھی ”عبد اور

بشر“ ہونے کے باوجود نورانی ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اللہ نے آپ کے نور کو سب سے

پہلے پیدا کیا اس لیے آپ کو نور کہا اور اس نور کو انسانی اور بشری لباس میں دنیا

کے اندر مبعوث فرمایا۔ اس لیے آپ کو قرآن نے بشر بھی فرمایا۔ لہذا آپ نور

بھی ہیں اور بشر بھی ہیں۔ دونوں میں کوئی تعارض اور منافات نہیں۔

☆ اس آیت مبارکہ میں کتاب یعنی قرآن کے ساتھ نور کا ذکر کر کے

اس طرف اشارہ کر دیا کہ کتاب بغیر نور اور روشنی کے نہیں پڑھی جاسکتی۔ اسی

طرح یہ کتاب بھی یعنی قرآن حکیم بھی بغیر نور اور روشنی کے نہیں پڑھا جاسکتا۔

اس کے لیے ایک خاص نور کی ضرورت ہے اور وہ ہے ”نور مصطفیٰ“ لہذا جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے اقوال و اعمال یعنی احادیث رسول کی روشنی میں قرآن کو نہیں پڑھو گے قرآن ہرگز تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ہم نے کتاب کے ساتھ نور اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کتاب کو نور مصطفیٰ یعنی احادیث رسول کی روشنی میں پڑھنا۔ لہذا اس آیت میں ان لوگوں کا بھی رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ قرآن اس نور مصطفیٰ یعنی احادیث کی روشنی کے بغیر تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتا۔

آیت نمبر (۱۰)

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ﴿۱۰﴾

اے نبی کی (پاک) بیویو تم عورتوں میں سے کسی کی مثل نہیں۔

فائدہ:۔۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ تم کسی عورت کی مثل اور برابر نہیں۔ تم سارے جہاں کی عورتوں سے افضل و اعلیٰ اور نرالی ہو۔ اور کوئی عورت تمہاری ہمسری اور برابری نہیں کر سکتی۔ ازواج مطہرات کو یہ بے مثل ہونے کا مقام حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کی نسبت اور تعلق کی وجہ سے حاصل ہوا۔ تو جب آپ کے تعلق سے آپ کی ازواج مطہرات تمام عورتوں میں بے مثل ہو گئیں تو خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم ساری کائنات میں کیوں نہ بے مثل و بے مثال ہوں گے.....؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کو بے مثال بنا کر پیدا فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم جیسا نہ ہوا اور نہ قیامت تک

کوئی ہو سکتا ہے۔

اس کی تائید اس حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے کہ جب صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھ کر آپ کی طرح بغیر کچھ کھائے پیئے صرف کھجور پر افطار کر کے لگاتار روزے رکھنے شروع کیے تو ان کو ضعف لاحق ہو گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ صوم وصال رکھتے ہیں اسی طرح ہم نے بھی رکھنا شروع کر دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اَلْكُمْ بِمِثْلِ اِنِّي اَبْتٌ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَ اَسْقِيَنِي تم میں سے کون میرے مثل ہے۔ میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ / مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۱ / ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۳۵)

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اِنِّي لَسْتُ بِمِثْلِكُمْ اِنِّي اَطْعَمُ وَاَسْقِي کہ میں تمہارے مثل نہیں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ / مسلم جلد ۱ ص ۳۵۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے یہ الفاظ فرمائے لیکن کسی صحابی نے اس کے جواب میں یہ نہیں عرض کیا کہ آپ تو ہماری طرح کے بشر ہیں۔ آپ کے بھی دو ہاتھ ہمارے بھی دو ہاتھ، آپ کی بھی دو آنکھیں ہماری بھی دو آنکھیں، بلکہ سب خاموش ہو گئے۔ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد پر سب صحابہ کا ایمان اور یقین تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بے مثل و بے مثال ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی کوئی چیز بھی ہم جیسی نہیں۔ آپ کے ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان الغرض سر سے لے کر پاؤں تک ایک ایک عضو ایک ایک بال آپ کا بے مثل و بے مثال ہے۔ دیکھو ہماری آنکھیں صرف آگے دیکھتی ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی آنکھیں

پیچھے حتیٰ کہ دل کی کیفیت خشوع و خضوع کو بھی دیکھ لیا کرتی تھیں (موطا امام مالک) ہمارے کان کے برابر سے کوئی آہستہ سے گزر جائے تو اس کے چلنے کی آواز نہیں سن سکتے۔ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم ساتوں آسمانوں سے اوپر معراج کی رات جنت میں تھے اور بلال زمین پر چل رہے تھے تو وہاں جنت میں بلال کے زمین پر چلنے کی آواز سن رہے تھے (بخاری و مسلم) ہمارے پسینہ میں بدبو آتی ہے۔ جب کہ نبی کے پسینہ میں مشک و عنبر سے بھی زیادہ خوشبو تھی۔ ہمارا خون حرام ہے۔ اس کو اگر کوئی چکھ بھی لے تو سخت گنہگار ہوگا اور جہنم کی سزا کا مستحق ہوگا۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے خون مبارک کو حضرت مالک بن سنان نے پی لیا تو آپ نے فرمایا اب تجھے دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی (شفاء، قاضی عیاض ص ۶۳) اسی لیے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

وَ أَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي

وَ أَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

کہ آپ ایسے بے مثل و بے مثال ہیں کہ آپ جیسا حسین نہیری آنکھ نے دیکھا اور نہ آپ جیسا جمیل کسی ماں نے جنا۔ آپ کی ہر چیز بے مثال ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان احادیث سے تو یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کسی کے مثل نہیں بلکہ بے مثل و بے مثال ہیں۔ جب کہ قرآن میں آتا ہے..... قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ..... کہہ دیجئے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں (سورہ کھف آیت ۱۱۰) تو بظاہر یہ آیت ان احادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے.....؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت احادیث کے خلاف نہیں کیوں کہ جس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ میں تمہارے مثل ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ معبود اور خدا نہ ہونے میں میں تمہارے مثل ہوں۔ جس طرح

تم معبود نہیں اسی طرح میں بھی معبود نہیں۔ لیکن جس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے مثل نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی بھی چیز میں کوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے مثل نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہر چیز میں بے مثل و بے مثال ہیں۔ لہذا آیت اور احادیث دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

آیت نمبر (۱۱)

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

پس اس قوم کے سردار جو کافر تھے انہوں نے کہا ہم تو تمہیں اپنا جیسا بشر دیکھتے ہیں (سورہ ہود پارہ ۱۲، آیت ۲۷)

فائدہ:۔۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں کافروں کا قول نقل کیا گیا ہے کہ

انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو۔ معلوم ہوا کہ نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کافروں کا طریقہ اور ان کا دستور ہے۔ اور بطور توہین نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ بلکہ دوسری آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں کافروں پر ہم نے دردناک عذاب اسی لیے نازل کیا کہ وہ اپنے نبیوں کو بشر کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے.....

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ لَنَأْقُوا وَاوَالَ أٰبِرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ لَنَأْلُوا أٰبَشْرًا يَهْتَفِنَا لَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ عَنِّي حَمِيدٌ ۝..... اے حبیب کیا آپ کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں

آئی جنہوں نے آپ سے پہلے کفر کیا تو انہوں نے (دنیا میں) اپنے کام کا وبال چکھ لیا اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے، یہ اس لیے کہ ان کے رسول ان سے پاس روشن دلیلیں لے کر آتے تھے تو انہوں نے کہا کیا بشر ہمیں

ہدایت کرے گا تو وہ کافر ہو گئے اور انہوں نے روگردانی کی اور اللہ نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور اللہ بے نیاز اور حمد کیا ہوا ہے (سورہ تغابن آیت ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں پر عذاب اس لیے نازل ہوا کہ انہوں نے اپنے نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے۔ اور اللہ نے عذاب بھیج کر ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ ثابت ہوا کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا یہ کفر تک لیجاتا ہے اور خدا کے غضب و عذاب کا موجب بنتا ہے۔ لہذا نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہہ کر اپنا دین و ایمان اور آخرت برباد نہیں کرنا چاہیے۔

بعض لوگ اس زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو معاذ اللہ اپنے جیسا بشر کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ..... اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) آپ فرمادیتے کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”قل“ فرما کر اپنے محبوب کو فرمایا ہے کہ آپ کہیں، یہ نہیں فرمایا ہے کہ تم بشر ہو، ہمیں کہنے کا حکم نہیں۔ لہذا نبی بطور تواضع اپنے آپ کو کہہ سکتے ہیں لیکن ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کو اپنے جیسا بشر کہیں۔ اگر کہہ کے ان سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کریں گے تو کافر ہو جائیں گے۔

قرآن سے ثابت ہے کہ جس نے سب سے پہلے کسی نبی کو بشر کہا وہ شیطان تھا۔ اور اس کے بعد جنہوں نے بھی نبی کو اپنے جیسا بشر کہا وہ سب کافر تھے۔ کسی مسلمان کا قول قرآن میں ذکر نہیں۔ ہاں البتہ نبیوں کا رب یا خود نبی اپنے آپ کو بطور تواضع کے کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں کئی مقامات پر انبیاء نے اپنے آپ کو ”بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کہا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بھی ان کو کہنا شروع کر دیں۔ ہم کہیں گے تو بے ادبی اور گستاخی کہلائے گی۔ جیسے قرآن میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لیے رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا

..... کہا اور حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا
 **إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** لیکن ہم یہ الفاظ اپنی طرف سے ان
 نبیوں کے لیے نہیں کہہ سکتے۔ اگر کسی نے معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام کو
 ظالم کہہ دیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 نے اپنے آپ کو اپنے امتیوں کا بھائی فرمایا۔ بطور تواضع آپ کا فرمانا درست
 ہے لیکن ہمیں ایسے عام الفاظ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے
 استعمال کرنا جائز نہیں۔ قرآن نے **لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ
 بَعْضِكُمْ بَعْضًا** فرما کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بشریاً بھائی
 وغیرہ کے عام نام سے پکارنے سے منع فرما دیا۔

آیت نمبر (۱۲)

عَالِمِ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ

اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے اور وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر جنہیں اس نے پسند فرمایا جو اس کے رسول ہیں (سورہ جن پارہ ۲۹، آیت ۲۷)

فائدہ:--- اس آیت سے معلوم ہوا کہ ”علم غیب“ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو عطاء نہیں فرماتا بلکہ اپنے رسولوں کو عطاء فرماتا ہے جو اس کے پنے ہوئے پسندیدہ اور برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ لہذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ ”علم غیب“ نبیوں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور ہمارے نبی تو تمام نبیوں کے سردار ہیں۔ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم غیب عطاء فرمایا کہ کائنات کی ابتداء سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطاء فرمادیا۔ اور اس کو قرآن کی اس آیت میں بیان فرمایا **وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا** اور آپ کو سکھادیا جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے (سورہ نساء آیت ۱۱۳)

اس آیت میں ما کا لفظ عام ہے یعنی جو کچھ نہیں جانتے سب چیزوں کا علم عطاء فرمادیا۔ اس میں تمام قسم کے علم غیب آگئے۔ جس علم کو دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو اپنا فضل عظیم فرمائے اس علم غیب کی عظمت اور وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس علم کی وسعت کا مشاہد صحابہ کرام نے فرمایا۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صبح سے غروب آفتاب تک خطاب فرمایا۔ پس آپ نے قیامت تک ہونے والی ہر شے کی خبر دے دی (مسلم شریف / مشکوٰۃ)

ثابت ہوا کہ غیب کی تمام باتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے علم میں تھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ غیب کا علم صرف نبیوں کو اور ہمارے نبی حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو ہے یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی امت کے اولیاء کو بھی ہے.....؟ تو آئیے قرآن سے پوچھیں.....! قرآن کہتا ہے..... **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ**..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا نبی علم غیب بتانے میں بخیل نہیں (سورہ تکویر آیت ۲۴) یعنی جس طرح بخیل پیسے بچا بچا کے رکھتا ہے اور کسی کو اس میں سے کچھ دیتا نہیں اس طرح ہمارا نبی علم غیب کے معاملہ میں بخیل نہیں۔ کہ وہ کسی کو کچھ نہ بتائے۔ بلکہ وہ اپنے پیاروں کو غیب کا علم عطاء فرمادیتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو علم غیب عطاء فرماتا ہے اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اس کو اپنے صحابہ کرام اور اولیاء میں تقسیم فرمادیتے ہیں۔ لہذا اولیاء کو جو علم غیب حاصل ہوتا ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ پھر ان کی یہ شان ہوتی ہے کہ حضرت غوث پاک رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا

كَخَرَلْتِي عَلَى حُكْمِ اتِّصَالِي

کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوئے ہوں۔ حضرت بہاء الدین نقشبند رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری نظر تمام روئے زمین پر اس طرح ہے جیسے اپنے ناخون کو دیکھ رہے ہوں کوئی چیز ہماری نظروں سے او جھل نہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبیوں اور ولیوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا اور وہ دلیل کے طور پر وہ آیات لاتے ہیں جن میں آتا ہے کہ غیب صرف اللہ ہی جانتا

ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کسی آیت میں آتا ہے کہ اے حبیب آپ کہہ دیجئے کہ میں علم غیب نہیں جانتا، حضور نے فرمایا کہ مجھے پتہ نہیں کیا ہوگا۔ اس قسم کی آیات اور احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی غیب جانتا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ذاتی طور پر یعنی خود بخود کوئی نبی اور کوئی ولی غیب نہیں جانتا بلکہ جو بھی غیب کا علم رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے اور اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے علم رکھتا ہے۔ لہذا جہاں بھی علم غیب کی نفی ہے اس سے ذاتی علم غیب کی نفی مراد ہے۔ اور جہاں قرآن کی آیات میں ثابت کیا گیا ہے کہ نبیوں و پیغمبروں کو علم غیب حاصل ہے اس سے علم غیب عطائی مراد ہے۔ اگر یہ جواب نہ دیا جائے تو پھر تو قرآن کی آیات میں تعارض ہو جائے گا۔ حالانکہ قرآن میں تعارض نہیں۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ دونوں آیات درست ہیں۔ جہاں علم غیب کی نفی ہے اس سے ذاتی مراد ہے۔ اور جہاں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے عطائی مراد ہے۔

آیت نمبر (۱۳)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سہرا پا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔

فائدہ:--- اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ و آلہ وسلم آج بھی سارے جہانوں کے لیے رحم و کرم فرمانے والے ہیں۔ اور ظاہر ہے کوئی رحم و کرم اسی وقت کرے گا جب وہ زندہ بھی ہو۔ اور جس پر رحم و کرم کرے اس کے حال سے واقف بھی ہو۔ اس کے قریب بھی ہو۔ اور اس کی مدد کرنے کی قدرت اور طاقت بھی رکھتا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ میرا محبوب سارے جہانوں پر اتنا رحمت فرمانے والا ہے کہ سہرا پا

رحمت بن کر آیا ہے۔ تو اس سے پتہ یہ چلا کہ حضور زندہ بھی ہیں۔ تمام جہان والوں سے قریب بھی ہیں۔ ان کے حالات سے واقف اور باخبر بھی ہیں۔ اور ان کی مدد کرنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے ان کی دستگیری اور مشکل کشائی بھی فرما سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ چیزیں اور اوصاف اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں نہ ہوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا رحمت للعالمین ہونا ثابت نہیں ہو سکے گا۔ جبکہ قرآن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو رحمت للعالمین فرما رہا ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ تمام صفات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں موجود ہیں۔ اسی کو آجکل کے عرف عام میں "حاضر و ناظر" کہتے ہیں۔

بعض لوگ حاضر کا مفہوم غلط سمجھتے ہیں کہ آپ جسمانی طور پر ہر جگہ موجود ہیں۔ یہ معنی حاضر کے ہرگز نہیں بلکہ حاضر و ناظر کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے روضہ شریف میں جلوہ فرما ہو کر پچھلی امتوں اور اپنی امت کے بلکہ ساری کائنات کے قیامت تک آنے والے حالات سے باخبر بھی ہیں اور ان کو دیکھ بھی رہے ہیں۔ اور اپنی روحانیت و علیت اور دستگیری کے لحاظ سے ان سے قریب بھی ہیں اور ان پر رحم و کرم فرمانے اور ان کی مدد کرنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ حاضر و ناظر کے اسی مفہوم کو اس آیت مبارکہ کے علاوہ رب کائنات نے قرآن پاک میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَذَاعِبًا اِلَى اللّٰهِ بَاقِنِهٖ وَسِرَاجًا مُّبِينًا اے حبیب ہم نے آپ کو بھیجا شاید بنا کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا اور اللہ کے اذن سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن کرنے والا سورج بنا کر۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو شاید فرمایا جس کے معنی متقدمین و متاخرین اپنے اور بیگانے سب مفسرین نے "گواہ" کے لکھے ہیں۔ جب کہ گواہ وہ

ہوتا ہے جو کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھ کر گواہی دے۔ گواہی کے اندر آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہوتا ہے (فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۳۱۱ / افاضات یومیہ، از اشرف علی تھانوی ج ۲ ص ۲۸۱ / البحر الرائق ج ۷ ص ۵۵) اب سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو قرآن نے گواہ کیوں کہا.....؟

آپ کس چیز کی گواہی دیں گے.....؟ تو قرآن میں ہی دوسرے مقام پر اس کی وضاحت کر دی گئی کہ آپ اپنی امت اور پچھلے نبیوں اور ان کی امتوں کے اعمال کی گواہی دیں گے (سورہ بقرہ آیت ۱۴۳ / سورہ نساء آیت ۴۱) تو ثابت ہو گیا کہ اولین و آخرین کے تمام اعمال پر اور ان کے تمام احوال پر آپ کی نگاہ ہے اور آپ اس سے باخبر ہیں جب ہی تو آپ گواہی دیں گے۔ اگر باخبر نہ ہوں تو آپ ان کے گواہ کیسے بنیں گے۔ جب کہ قرآن آپ کو ان سب کا گواہ بتا رہا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ آپ حاضر و ناظر ہیں.....!

اور اسی حاضر و ناظر کی مزید تشریح اسی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو ”سراجا منیرا“ یعنی چمکانے والا آفتاب کہہ کے فرمادی کہ جس طرح سورج آسمان پر ہوتا ہے لیکن اس کی روشنی سارے جہاں میں موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح میرا محبوب بھی آسمان نبوت کا وہ سورج ہے جو جسمانی لحاظ سے اپنے روضہ شریف میں جلوہ فرما ہے لیکن اپنی روحانیت و علیت اور دستگیری کے لحاظ سے وہ ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اسی کو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں بیان فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تمہارا پیش خیمہ ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور مجھے اللہ کی قسم ہے بیشک میں ابھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں

(بخاری شریف جلد دوم ص ۹۷۵)

دوسری صحیح حدیث میں آتا ہے کہ نمازِ حضور میں آپ نے ہاتھ بڑھایا

اور کسی چیز کو پکڑنا چاہا پھر نماز کے بعد صحابہ کے استفسار پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا تو اس سے ایک خوشہ توڑنا چاہا۔ اگر میں لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے (بخاری کتاب الاذان) ان آیات اور احادیث سے ثابت ہوا کہ جب یہاں سے بیٹھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ساتوں آسمانوں کے اوپر جنت اور حوض کوثر کو دیکھ رہے ہیں اور وہاں تک آپ کا ہاتھ بھی پہنچ سکتا ہے تو پھر روضہ شریف میں رہ کر سارے جہاں میں پھیلے ہوئے اپنے غلاموں کو کیوں نہیں دیکھ سکتے.....؟ ان تک آپ کا ہاتھ کیوں نہیں پہنچ سکتا.....؟ قرآن و حدیث سے یہ چیز ثابت ہوگئی کہ ہمارے احوال پر آپ کی نگاہ بھی ہے اور ہماری فریاد پر آپ کو ہماری دستگیری کی طاقت و قدرت بھی ہے.....!

آیت نمبر (۱۴)

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ بنا لو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو
(سورہ نور، پارہ ۱۸، آیت ۶۳)

فوائد:--- اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع فرما دیا کہ ہم نبی کو اس طرح پکاریں جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ یعنی آپس میں ہم ایک دوسرے کا نام لے کر اور عام الفاظ سے پکارتے ہیں۔ مثلاً بھیا، چچا جی، بابا، بابو جی، اے میاں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو آپ کا نام لے کر یا محمد دیا احمد وغیرہ کہہ کر پکارنے کی اجازت نہیں اور نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لیے ”بشر“ جیسے عام الفاظ استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو ادب و احترام والے القاب کے ساتھ پکارو۔ یہی
 یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا رحمت للعالمین کہو۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اس آیت
 کے بموجب اور رب کے حکم کے مطابق نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو
 یا محمد یا احمد نام لے کر پکارنا چاہیے اور نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم
 کے لیے عام الفاظ مثلاً آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، یا آپ ہمارے بڑے بھائی ہیں
 وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی شان
 کے لائق نہیں اور ان عامیانہ الفاظ کا استعمال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ
 وسلم کے جائز نہیں۔ قرآن و حدیث میں جہاں بھی نبی کے لیے ”بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ آیا
 ہے وہ یا تو رب نے ان کو کہا ہے یا خود نبی نے اپنے آپ کو کہا ہے۔ جب کہ
 رب ان کا خالق ہے اس کو ہی نبیوں کے لیے یہ الفاظ کہنے کا حق ہے۔ اور بطور
 تواضع خود نبیوں کو بھی اپنے لیے یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اس کو دیکھ کر کسی
 عام آدمی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بھی نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے لگے۔ یہ ایسا ہی
 ہے جیسے کوئی بادشاہ کوئی حاکم یا بڑا افسر لوگوں سے بطور تواضع کے کہے کہ میں
 آپ کا خادم ہوں۔ تو وہ کہہ سکتا ہے لیکن اس کو سن کر دوسرے بھی اگر اس کو
 اپنا خادم کہنے لگیں تو وہ بے ادب اور لائق سزا ٹھہریں گے۔ یہی حال یہاں ہے
 کہ نبیوں نے بطور تواضع کے اپنے آپ کو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں۔ اب یہ سن
 کر بعض بے ادبوں نے بھی نبیوں کو ایسا کہنا شروع کر دیا تو قرآن کہتا ہے وہ اس
 بے ادبی پر کافر ہو گئے..... **لَقَالُوا أَبَشَرٌ مِّثْلُنَا لَكْفَرُوا.....** تو انہوں
 نے کہا کہ کیا (یہ) بشر ہمیں ہدایت کرے گا، تو وہ کافر ہو گئے (سورہ تغابن آیت ۶)
 لہذا اگر کوئی نبی کو اپنے جیسا بشر کہے یا عام سا لفظ ان کے لیے استعمال کر کے ان
 کی توہین کرتا ہو تو وہ اپنے ایمان کی فکر کرے کہ کہیں ان کا ایمان نہ چلا جائے
 اور اس آیت کی رو سے کہیں وہ کافر ہی نہ ہو جائے۔

اس آیت مبارکہ سے دوسرا سب سے اہم فائدہ اور سبق ہمیں یہ حاصل ہوا کہ نبیوں اور ولیوں کو پکارنا جائز ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو اس طرح نہ پکارو یعنی عام الفاظ سے۔ اور نام لے کر نہ پکارو بلکہ اچھے القاب سے یا رسول اللہ یا رحمت للعالمین کے پیارے پیارے القاب سے پکارو۔ ثابت یہ ہوا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبیوں اور ولیوں کو پکارنا اور یا رسول اللہ کہنا شرک ہے وہ غلط ہے بلکہ اچھے القاب کے ساتھ نبی کو پکارنا اور یا رسول اللہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ قرآن کی اس آیت پر عمل کرنے کے باعث لائق اجر و ثواب ہے.....!

بلکہ ایک مقام پر تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی کو پکارنے کا حکم دیا اور فرمایا..... **قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا.....**

اے حبیب آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو بیشک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (سورہ اعراف آیت نمبر ۱۵۸) جب کہ لوگوں سے مراد قیامت تک آنے والے تمام انسان مراد ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے سامنے تھے وہ بھی اور جو دنیا جہاں کے دوسرے کونوں اور علاقوں میں تھے وہ بھی اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے زمانہ میں تھے وہ بھی اور جو بعد میں قیامت تک آنے والے ہیں وہ بھی۔ ان سب لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے محبوب آپ ان سب سے کہیے کہ **”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“** یعنی اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو اگر کسی اللہ کو یا کہہ کر پکارنا اور بلانا اور ان کو مخاطب کرنا شرک ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کو اللہ تعالیٰ **”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“** کہہ کے تمام دور و نزدیک اور حاضر و غائب لوگوں کو پکارنے اور ان کو مخاطب کرنے کا حکم کبھی نہیں دیتا.....! جب کہ یہاں اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو **”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“** کہہ کے پکارنے کا اپنے محبوب کو حکم دے رہا ہے۔ تو ثابت ہوا

الانبياء صلى الله تعالى عليه وآله وسلم کو یوں پکارا..... يَا مُحَمَّدَاهُ يَا مُحَمَّدَاهُ
 صَلَّى عَلَيْكَ اللَّهُ وَ مَلَكُ السَّمَاوَاتِ حَسْبُنَا بِالْعَرَاءِ مُزِيلٌ بِاللِّمَاءِ مَقْطَعُ الْأَعْضَاءِ
 يَا مُحَمَّدَاهُ وَ بَنَاتِكَ سَبَابًا وَ فِرْيَتِكَ مُقْتَلَةً تَسْفِي عَلَيْهَا الصَّبَا.....

یا محمد!.....! یا محمد!.....! آپ پر اللہ اور آسمانوں کے فرشتوں کا درود ہو
 یہ حسین بے گور و کفن پڑے ہیں۔ خون آلود و اعضاء بریدہ۔ یا محمد!.....!
 آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ کی اولاد کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان پر خاک
 ہوا ڈال رہی ہے (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۳)۔۔۔۔۔۔۔ امام زین
 العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ
 میں آپ کو پکارتے ہوئے یوں فریاد کی۔

يَا رَحْمَتَ الْعَالَمِينَ اَدْرِكُ لِيْلَيْنِ الْعَابِدِينَ
 مَحْبُوسِ اَبْنِي الطَّالِبِينَ فِي مَوْكَبٍ وَ الْمُنْجَمِ

اے رحمت للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو اس اژدہام میں وہ
 ظالموں کے ہاتھوں قید میں ہے۔ الغرض ثابت یہ ہوا کہ اللہ کے علاوہ اس کی
 مخلوق میں سے نبیوں اور ولیوں کو ”یا“ سے پکارنا نہ تو شرک ہے اور نہ ہی بدعت
 ہے بلکہ اہل بیت اطہار و صحابہ کرام اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
 وسلم بلکہ خود رب کائنات کی سنت ہے۔ لہذا اہل سنت و جماعت جو ”یا رسول
 اللہ“ کہہ کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پکارتے ہیں یا ”یا شیخ
 عبدالقادر جیلانی“ کہہ کے حضرت غوث پاک رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کو پکارتے ہیں
 یہ شرک اور بدعت نہیں بلکہ قرآن و احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات اور احادیث سے تو غیر خدا کو
 پکارنا جائز ثابت ہوتا ہے جب کہ قرآن کی دوسری آیات میں غیر خدا کو پکارنے
 سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے..... فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا

..... اور اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو (سورہ جن ۱۸/۷۲) اور دوسری آیت میں ہے وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ اور اس زیادہ گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا کسی کو پکارے (سورہ احقاف ۵/۴۶) تو ان آیات اور پچھلی آیات اور احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے.....؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جن آیات میں غیر اللہ کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد ہے معبود سمجھ کر پکارنا یعنی ان کو پوجنا اور ان کی عبادت کرنا۔ ایسا پکارنا منع ہے۔ اور بغیر معبود سمجھے پکارنا جائز ہے۔ وہ خود قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے اقوال و افعال سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آیات اور احادیث ابھی گزریں۔ اور عقل بھی یہ کہتی ہے کہ اگر ہر قسم کا پکارنا منع اور حرام ہو تو انسان دن میں نہ جانے کتنی ہی مرتبہ اپنی بیوی بچوں اور ملازموں کو بلاتا ہے اور پکارتا ہے۔ یہ سب حرام ہو جائیں گے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔ پتہ یہ چلا کہ قرآن میں جس بلائے کو حرام قرار دیا ہے وہ خاص قسم کا پکارنا ہے اور وہ معبود سمجھ کر پکارتا ہے، یہ حرام ہے۔ اس کے سوا ہر قسم کا پکارنا خواہ کسی کو قریب سے پکارا جائے یا دور سے، مرنے سے پہلے پکارا جائے یا مرنے کے بعد۔ اگر معبود سمجھ کر نہیں پکارا تو یہ سب جائز ہے۔

آیت نمبر (۱۵)

قَالَ لَخَذَ اَرْبَعَةٌ مِنَ الطَّيْرِ فَصَّرَهُنَّ اَلَيْكَ ثُمَّ اَجْعَلْ عَلَيَّ كُلَّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يٰ اَتَيْتِكَ مَعِيًّا

اللہ نے فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ بلا لو پھر ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں

گے (سورہ بقرہ) ۱۵۷

لوا مر۔۔۔۔۔ آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اللہ سے عرض کیا کہ آپ مجھے دکھائیے کہ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے۔ میں اس منظر کو اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو قرار و طمانیت حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا ایسا کرو چار پرندے لو اور انہیں خوب کھلا پلا لو پھر انہیں ذبح کر کے ان کا قیمہ بنا کر چند پہاڑوں پر ان کا تھوڑا تھوڑا گوشت رکھ دو پھر ان مرے ہوئے پرندوں کو پکارو تو وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آجائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح کیا۔ جب ان چاروں کا گوشت پہاڑوں پر رکھ دیا تو پھر ایک ایک مردہ جانور کو اور پرندے کو اس طرح پکارا..... اے مرغ..... اے کبوتری..... اے گدھ..... اے مور..... تو وہ سب پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ ”مردوں“ کو پکارنا جائز ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مردوں کو پکارنا شرک ہے۔ لیکن اس آیت سے ثابت ہوا کہ مردوں کو پکارنا شرک نہیں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان مردہ پرندوں کو پکارو اور اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پکارا اور بلایا۔ اگر مردوں کو پکارنا شرک ہوتا تو نہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ شرک کرنے کا حکم دیتا اور نہ حضرت ابراہیم جیسا نبی یہ شرکیہ کام کرتا۔ پتہ یہ چلا کہ مردوں کو پکارنا شرک نہیں بلکہ نبیوں کی سنت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اولوالعزم صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کو بار بار مدد کے لیے پکارا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مدد فرمائی۔ اگر وفات کے بعد کسی کو پکارنا شرک ہوتا تو صحابہ کیوں پکارتے.....؟ چنانچہ

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد جب نبوت کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا نبی مسیلمہ کذاب سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو اس کے پاس اس وقت ساٹھ ہزار فوج تھی۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت میدان میں بہت کم فوج تھی۔ دشمن کی اتنی بڑی فوج کے حملہ کے باعث مسلمانوں کی فوج کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ اس وقت میدان جنگ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدد کے لیے یہ کہہ کر پکارا ”یا محمد!.....! یا محمد!.....! اسی وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمن کی اتنی بڑی فوج پر فتح و نصرت عطاء فرمادی۔ اور مسیلمہ کذاب مارا گیا اور واصل جہنم ہو گیا (البدایہ والنہایہ ۶/۳۲۳-۱ ابن اثیر ۲/۱۵۲-طبری ۳/۲۵۰)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا، نبی کو پکارنا، دور سے پکارنا، وصال کے بعد پکارنا، مدد کے لیے پکارنا، ان میں سے کوئی بھی چیز شرک و بدعت نہیں بلکہ صحابہ کی سنت ہے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں جب قحط پڑا اور بارش نہ ہونے سے لوگ بھوکے پیاسے مرنے لگے تو ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر حاضر ہو کے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے اللہ سے بارش طلب فرمائیے ورنہ آپ کی امت ہلاک ہو جائے گی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو خواب میں ملے اور فرمایا عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام کو اور ان کو بارش کی بشارت دو (البدایہ والنہایہ ۷/۹۲)

ثابت ہوا کہ وصال کے بعد بھی اللہ کے پیاروں کو پکارنا ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور اللہ کے پیاروں کا اپنی قبروں میں رہ کر مدد فرمانا برحق

وَا بِأَخَيْرٍ مِّن رَّجِيٍّ لِّكُشْفِ زِينَتِهِ
وَأَمِّن جُودُهُ فَأَقَى جُودَ السَّعَانِبِ

اے افضل خلاق ذات آپ پر اللہ کا درود ہو، اے بہترین امید گاہ اور بہترین عطاء فرمانے والے، اے وہ بہترین ذات جس سے مصیبتوں اور آفتوں سے نجات دلانے کی امید کی جاتی ہے، اے وہ کہ جس کی سخاوت برسنے والے بادلوں سے بھی کہیں زیادہ ہے (أَطْيَبُ النَّعْمِ)
حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں یوں فریاد کناں ہیں۔

یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
اے حبیب کبریا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آجکل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

مولوی اشرف علی تھانوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے مدد طلب کرتے ہوئے یوں پکارتے ہیں۔

يَا شَفِيعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِي
أَنْتَ فِي الْأَضْطِرَارِ مُعْتَمِلِي
لَيْسَ لِي مَلْجَأٌ سِوَاكَ أَهْثُ
مَسْنِي الضَّرُّ مَسْنِي وَسَنْبِي

اے بندوں کی شفاعت فرمانے والے، میری دہنگیری فرمائیے، آپ مشکلات میں میری آخری امید ہیں، آپ کے سوا میرا کوئی ملجاء و ماوئئ نہیں، اے میرے آقا میری فریاد سنئے، میں تکلیف و مصیبت میں گرفتار ہوں۔
نواب صدیق حسن خان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو مشکل

کشا سمجھتے ہوئے یوں پکارتے ہیں۔

يَا سَيِّدِي يَا عَرُوتِي وَ وَسِيَّتِي
يَا عَدَّتِي لِي نِدَّةً وَ رِخَاءً
سَدَدًا جَاهَكَ ضَارِعًا مَتَلَلًا
مَا لِي وَرَائِكَ صَارِي الضَّرَامِ

اے میرے آقا، اے میرے سہارے اور میرے وسیلہ، اے میری سختی و نرمی کی حالت کے ساز و سامان، میں نے نہایت عاجزی و انکساری سے آپ کی عزت و جاہ کو شفیق بنایا، کیونکہ میرے لیے آپ کے سواء تکلیف و مصیبت کو کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ یعنی آپ کے سواء کوئی مشکل کشا نہیں۔

الغرض آیات و احادیث اور صحابہ و تابعین، تبع تابعین، ائمہ، صوفیاء، علماء، اور عرفاء کے اقوال و اشعار سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو پکارنا، وصال کے بعد پکارنا، نزدیک سے پکارنا یا دور سے پکارنا، مدد کے لیے پکارنا، ان سے استغاثہ کرنا، فریاد کرنا، ان کو مشکل کشا کہنا، ان میں سے کوئی سی بھی چیز شرک نہیں بلکہ جائز اور تمام اسلاف کی سنت ہے۔

آیت نمبر (۱۶)

لَمَّا أَحْسَسَ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے کفر کو محسوس کیا تو آپ نے کہا کون میرے مددگار بنتے ہیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ کے دین کی، ہم ایمان لائے اللہ پر آپ (اے نبی) گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں (سورہ آل عمران، پارہ ۳، آیت ۵۲)

فائدہ: --- اس آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے

حواریوں اور ساتھیوں سے مدد طلب کر رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کرنا کفر اور شرک نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے۔ حالانکہ ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ اگر غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو شرک مٹانے کے لیے آئے تھے وہ کبھی اپنے حواریوں سے جو غیر اللہ ہیں مدد طلب نہ کرتے.....!

اسی طرح دوسرے مقام پر مسلمانوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ..... **وَإِنِ اسْتَنْصَرُواكُمْ فِي الدِّينِ لَعَلَّكُمْ النَّصْرُ**..... اور اگر وہ (مسلمان تم سے دین میں مدد طلب کریں) (جہاد میں) تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے (سورہ انفال، پارہ ۱۰، آیت ۷۲) یہاں اس آیت میں بھی مسلمان اللہ تعالیٰ سے نہیں بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں سے جو غیر اللہ ہیں ان سے مدد طلب کر رہے ہیں۔ اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ وہ شرک ہو گئے میرے بجائے تم سے مدد طلب کر رہے ہیں لہذا ان کی مدد نہ کرو۔ بلکہ فرماتا ہے کہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کی مشکل کے وقت میں مدد کرنا تم پر واجب ہے۔ ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ مشکل کے وقت غیر اللہ سے مدد طلب کرنا کفر و شرک نہیں بلکہ انبیاء اور صحابہ کی سنت ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غیر اللہ سے مدد مانگنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا جانور وغیرہ جنگل میں بھاگ جائے یا کوئی حاجت پیش آئے اور مدد کی ضرورت ہو تو اسے چاہیے کہ یوں کہے..... **يَا عِبَادَ اللَّهِ اَعِيْنُونِيْ** يَا عِبَادَ اللَّهِ اَعِيْنُونِيْ..... یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

اسی مضمون کی حدیث دیگر صحابہ کرام سے بھی روایت ہے (طبرانی/

ابوہعلیٰ / فتاویٰ رشیدیہ / حصن حصین / مجمع الزوائد) اور اس حدیث کے متعلق علامہ ملا علی قاری رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور حاجت روائی کے سلسلہ میں بڑی مجرب ہے (المحرز الشمین) اسی طرح ایک جنگ میں بطیموس بادشاہ نے دس ہزار کی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر پر رات کے وقت اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمان گھبرا گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدد کے لیے پکارا اور کہا..... **وَ اَعُوْثَاہُ وَا مَحْمَلَاہُ وَا سَلَامَاہُ کَیْدَ قَوْمِیْ وَ رَبُّ الْکَعْبَہِ.....**

اے محمد رب کعبہ کی قسم میری قوم کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے ہماری مدد فرمائیے ہماری فریاد رسی کیجئے تاکہ یہ سلامت رہیں (واقدی) اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کو نداء کر کے آپ سے استمداد کرتے تھے۔ مشکل وقت میں آپ سے مدد طلب کرتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں ان کی مشکلیں آسان ہو جاتی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی آیات اور احادیث سے ثابت ہو گیا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے بھی مدد طلب کرنا جائز ہے اور نبیوں اور صحابہ نے مددیں طلب کی ہیں تو پھر قرآن میں یہ کیوں فرمایا گیا ہے کہ..... **اِنَّا کَ نَعْبُدُ وَاِنَّا کَ نَسْتَعِیْنُ.....** کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کسی کی عبادت جائز ہے نہ کسی سے استعانت اور مدد طلب کرنا جائز ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حقیقی مدد مراد ہے۔ یعنی ”اِنَّا کَ نَسْتَعِیْنُ“ کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی کارساز سمجھ کر صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ حقیقی مدد کرنے والا صرف وہ ہی ہے۔ باقی انبیاء و اولیاء جو بھی مدد کرتے ہی

اور ان سے جو مدد طلب کی جاتی ہے وہ اللہ کا مظہر سمجھ کر محض واسطہ سمجھ کر ان سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ اور اس طرح یعنی کسی کو اللہ کا مظہر سمجھ کر ان سے مدد طلب کرنا شرک نہیں۔ ہاں اللہ کے مقابلہ میں اس جیسا خدا معبود جان کر مدد طلب کرنا جیسا کہ مشرکین عرب بتوں کو معبود سمجھ کر مدد طلب کرتے تھے۔ ایسا کرنا شرک ہے۔ اگر "اِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ" کے یہ معنی لیے جائیں کہ کسی کی کسی سے مدد طلب کرنا شرک ہے تو دن میں آدمی نہ معلوم کتنے کاموں میں لوگوں سے مدد طلب کرتا ہے۔ کہیں بیوی سے کھانا طلب کرتا ہے تو بچوں سے پانی منگاتا ہے، حکیم سے دوا لیتا ہے، وکیل سے پولیس تھانہ دار سے، ایم پی اے، ایم این وغیرہ سے سیکڑوں کاموں میں مدد طلب کرتا ہے تو کیا یہ سب شرک ہو گیا۔ اور اس طرح تو دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہا۔ معلوم ہوا کہ اِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی مددگار سمجھ کر صرف خدا کی مدد طلب کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں" جبکہ دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ اس کا رسول اور مومنین تمہارے دوست ہیں (سورہ مائدہ ۵/۱۵۵) ان دونوں آیتوں کے درمیان بھی کوئی تعارض نہیں کیونکہ جن آیات میں اللہ کے علاوہ کسی کے مددگار نہ ہونے کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مددگار نہیں۔ خواہ کوئی نبی ہو یا ولی جو بھی مدد کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم اور اس کی اجازت سے اس کی طاقت سے مدد کرتے ہیں۔

آیت نمبر (۱۷)

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِنَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ
إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ

اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ رضی ہو جاتے اس چیز پر جو اللہ اور اس کے رسول

نے ان کو دی اور وہ کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے ہمیں عنقریب دے گا اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول 'یشک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (سورہ توبہ، پارہ ۱۰، آیت ۵۹)

فوائد:--- اس آیت سے پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ یہاں یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دیتا ہے اور اس کا رسول بھی دیتا ہے۔ اور ان دونوں کے دینے میں کوئی قید نہیں لگائی گئی کہ یہ کیا دیتے ہیں۔ بلکہ مطلق رکھ کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ خدا دیتا ہے وہ مصطفیٰ کے ذریعہ دیتا ہے۔ یعنی خدا کی ہر نعمت ہر ایک کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ ملتی ہے۔ اسی کو حدیث پاک میں وضاحت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ إِنَّمَا أَنَا قَائِمٌ وَاللَّهُ يَعْطِينِي کہ جو کچھ خدا دیتا ہے اس کو تقسیم میں کرتا ہوں (بخاری ج ۱ ص ۱۶ / مشکوٰۃ ص ۳۲) معلوم ہوا کہ عزت و دولت، شہرت و اولاد، بیوی بچے، وزارت و حکومت، بادشاہت و ولایت و نبوت الغرض خدا کی ہر عطاء مصطفیٰ کے ذریعہ ملتی ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ دیتا ہے اور اس کا رسول بھی دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی عطاء سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بھی عطاء و بخششیں فرماتے ہیں مخلوق کو فائدہ اور نفع پہنچاتے ہیں، ان کی دستگیری فرماتے ہیں، ان کی مشکلیں آسان کرتے ہیں، ان کو ہر آڑے وقت میں مدد دیتے ہیں، یہ سب عقائد رکھنے، الا اللہ کا محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اور قرآن ایسے شخص کی تعریف کر رہا ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے۔۔۔۔۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے وہ مجبور محض ہیں ان کے لیے یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ کچھ دے سکتے ہیں

یا کسی کی بگڑی بنا سکتے ہیں یا مشکلیں آسان کر سکتے ہیں یہ سب شرک ہے (معاذ اللہ) اور دلیل کے طور پر وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ... آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے بھھے یا برے کا خود بخود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو نفع اور نقصان کی نفی کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اس کے مالک نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر اللہ کی عطاء اور اس کی رضا کے مالک نہیں۔ اور کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا اس اجازت کے بغیر۔ ہاں اس کی عطا اس کی رضا اور اجازت سے سب کچھ عطاء کرتا ہوں۔ نعمتیں بھی بانٹتا ہوں اور نفع و نقصان کا مالک بھی ہوں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہوں۔ اوپر دہلی آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ اللہ کی عطاء سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہر چیز عطا فرماتے ہیں۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ داتا گنج بخش علی ہجویری کو داتا کہنا شرک ہے ”داتا“ صرف اللہ ہے۔ دوسروں کو داتا ماننا شرک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میں بھی داتا ہوں، میرا رسول بھی داتا، تو کیا یہ شرک ہو گیا.....؟ معلوم ہوا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی عطاء بھی ذاتی ہے اور اس کے محبوبوں کی عطا بھی ذاتی ہے، یہ شرک ہے۔ لیکن یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی سے لیے خود بخود دیتا ہے۔ جب کہ اس کے پیارے اپنے رب سے لے کر دیتے ہیں۔ لہذا اس کے دینے میں اور ان کے دینے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس کے داتا اور ان کے داتا ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا شرک نہیں بلکہ اللہ کو پسند ہے، اللہ اس کی تعریف کر رہا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بھی فرمایا کہ میں رؤف و رحیم ہوں اور اپنے محبوب کے لیے بھی فرمایا کہ وہ بھی

رؤف و رحیم ہیں۔ لیکن یہ شرک نہیں کیونکہ وہ خود بخود رؤف و رحیم ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی عطاء سے رؤف و رحیم ہیں۔

آیت نمبر (۱۸)

وَأُزِيءُ الْأَكْمَهٗ وَالْأَبْرَصَ وَ أَحْيِي الْمَوْتِ بَإِذْنِ اللَّهِ وَأَنْبِئْكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَنْخُرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ

اور میں تفتاء دیتا ہوں، ماورزا دانڈھے اور برص والے کو اور مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو (سورہ آل عمران، پارہ ۳، آیت ۴۹)

فائدہ:--- بیماروں کو شفا دینا اور مردے زندہ کرنا یہ سب کام اللہ کے ہیں۔ لیکن اس آیت میں اللہ کے مقرب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے لیے فرما رہے ہیں کہ میں اندھوں کو اور برص والوں کو شفاء دیتا ہوں اور میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ لیکن آگے انہوں نے فرمایا کہ ”بإذن اللہ“ کہ یہ سب کام میں اللہ کے اذن اور اس کے حکم اور اس کی عطاء سے کرتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے پیاروں کے لیے یہ کہنا اور عقیدہ رکھنا کہ نبی و ولی مشکل کشا ہیں، پریشانیاں دور کرتے ہیں، مصیبتیں مٹاتے ہیں، بیماروں کو شفا دیتے ہیں، اولاد دیتے ہیں، اور وہ یہ سب کام اللہ کا اجازت اور اذن سے کرتے ہیں۔ تو یہ شرک و بدعت نہیں۔ اگر ایسا کہنا شرک ہوتا تو اللہ کا مقرب اور عظیم نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز ایسا نہیں کہتے۔ ہاں البتہ یہ عقیدہ رکھنا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بالذات مشکل کشا ہے اور شفا دیتا ہے اور مردے زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے مقابلہ میں ان کے بندے کو بغیر اللہ کے دیئے خود بخود یہ قوت حاصل ہے تو یہ شرک ہو جائے۔ اور مشرکین عرب اپنے بتوں کے لیے یہی عقیدہ رکھتے

تھے۔ اس لیے وہ مشرک ہوئے۔ اور یہی وجہ ان کے شرک کی قرآن نے بیان کرتے ہوئے فرمایا تَاللّٰہِ اِن کُنَّا لَفِی ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ اَوْ نُسُوْبُکُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ یعنی دوزخ میں مشرکین اپنے بتوں سے کہیں گے کہ اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کیونکہ ہم تو تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے (الشعراء ۹۸/۲) برابر سمجھنے کے لفظ نے واضح کر دیا کہ عرب کے مشرکین اس لیے کافر ہو گئے کہ وہ بتوں کو خدا کے برابر ٹھہراتے تھے اور خدا کی طرح اس کے مقابل مشکل کشا مانتے تھے۔ اس لیے مشرک ہو گئے۔ جب کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے اذن اور اجازت سے یہ سب کام کر رہے ہیں۔ لہذا وہ محبوب ٹھہرے۔

لہذا آج بھی کوئی اپنے آقا و مولا سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور اولیاء اللہ کے لیے یہ کلمے اور عقیدہ رکھے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں جو اللہ کے اذن و اجازت اور اس کی دی ہوئی طاقت سے مشکلیں آسان کرتے ہیں، بیڑے ترا تے ہیں، کشتیاں پار لگاتے ہیں، اولادیں دیتے ہیں تو یہ شرک نہیں ہوگا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت پر عمل ہوگا۔ ہاں اگر کوئی مشرکین عرب کی طرح یہ عقیدہ رکھے کہ انبیاء و اولیاء بغیر اللہ کے دیئے خود بخود مشکل کشا ہیں تو وہ مشرک ہو جائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا، کوئی مشکل کشا نہیں، کسی غیر اللہ کو مشکل کشا کہنا شرک ہے، کوئی مصیبت ٹالنے والا نہیں، اور اس پر بطور دلیل یہ آیت پیش کرتے ہیں وَاِنْ یَدْسُکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ لَّا کَاشِفٌ لّٰہُ اِلَّا ہُوَ اور اگر تجھے کوئی برائی پہنچائے تو اللہ کے سوا، کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا وَمَا لَکُمْ مِّنْ نَّوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلٰی وَا لَا نَصِیْرٌ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے یہ فرمان بالکل درست ہیں ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اور اس کے معنی یہ

اس کا حقیقی مشکل کشا وہ ہی ہے۔ ”بالذات“ مدد فرمانے والا اور مصیبتیں ٹالنے والا صرف وہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ ہاں اس کی عطاء سے اس کی اجازت سے اس کے پیارے بھی مشکلیں آسان کرتے ہیں اور مصیبتیں ٹالتے ہیں اور مدد بھی فرماتے ہیں۔ جیسے مذکورہ بالا آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بیماروں کو شفا دیتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں مگر اللہ کے حکم سے۔ اسی طرح خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمایا **فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَانَا وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ** بیشک اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مومنین اور اس کے بعد اس کے فرشتے بھی مدد پر ہیں (سورہ التکریم پارہ ۲۸ آیت ۳) مگر غیر اللہ کا مددگار ہونا اور مشکلیں آسان کرنا، نسبتیں ٹالنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن میں کیوں فرماتا کہ مومنین اور ملائکہ اور جبریل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار ہیں۔ ثابت ہوا کہ حقیقی مشکل کشا اور مددگار صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ جب کہ اس کی عطا اور اذن سے مشکل کشا اور مددگار اس کے پیارے بندے بھی ہیں اور یہ عقیدہ شرک نہیں بلکہ نبیوں کا طریقہ ہے۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ تم جو گھروں میں کھاتے ہو اور جو ذخیرہ کر کے آتے ہو میں اس کو بھی بتا دیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ جو چیزیں ہماری نگاہوں سے اوچھل اور پوشیدہ ہوتی ہیں وہ نبیوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو غیب کا وسیع علم عطا فرما دیا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم کا یہ حال ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی نبی بلکہ ساری کائنات کے نبی اور امام حضور سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا کیا عالم ہوگا۔ اس کا کوئی اندازہ

نہیں کر سکتا۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام احوال و واقعات کا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وسیع علم عطا فرما دیا تھا۔ کوئی شی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت کو میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو ہر چیز میرے لیے روشن ہو گئی اور کائنات کی ہر شے کا مجھے علم آ گیا۔ اور میں نے اس کو جان لیا اور پہچان لیا (بخاری)

آیت نمبر (۱۹)

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَ آيَاتِهِ وَ رَسُولِهِ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِئُونَ۔ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

اے محبوب اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی صرف دل لگی اور کھیل کرتے تھے، تو آپ فرمائیے کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مزاح کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ بیشک تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر (سورہ توبہ پارہ ۱۰ آیت ۶۵/۶۶)

فوائد:۔۔۔ اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر بعض منافقین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے علم غیب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کہتے ہیں کہ ہم روم پر غالب آجائیں گے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟ اور اس پر ہنسنے لگے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے ان کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کہا تو بہانے کرنے لگے۔ جس کو قرآن بیان کر رہا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم تو صرف اپنا سفر گزارنے کے لیے یوں ہی ہنسی مذاق کر رہے

تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ جاؤ تم اسلام لانے کے بعد کافر اور مرتد ہو گئے۔

اب اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو مذاق نہیں کیا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور آپ کے ”علم غیب“ کا مذاق اڑایا اور ان کے اس مذاق اڑانے کو قرآن نے یہ فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کا اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا مذاق اڑانا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑانا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی توہین درحقیقت خدا کی توہین ہے۔ لہذا جو لوگ توحید کا نام لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی گستاخیاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی بڑا ہو یا چھوٹا یعنی نبی ولی سب چوڑے چھار کی طرح ہیں۔ وہ غور کریں کہ وہ ان عبارات کو لکھ کر توحید کو بلند نہیں کر رہے بلکہ خدا کے پیاروں کی توہین کر کے خدا کی توہین کر رہے ہیں.....! اس آیت نے بتا دیا کہ خدا کے یہاں ایسی توحید قابل قبول نہیں جس میں اس کے پیاروں کی توہین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صاف فرما دیا کہ میرے نبی کی گستاخی درحقیقت میری ہی گستاخی ہے۔ وہ موحد اور توحید پرست نہیں بلکہ توحید کا منکر ہے اور میرا بھی گستاخ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس گستاخی پر وہ لوگ جو بظاہر مسلمان تھے وہ کافر اور مرتد ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی پر انسان ایمان اور اسلام سے نکل جاتا ہے اور ایمان نہ رہا تو پھر کسی نیک عمل کا اسے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اچھے اعمال کا

ثواب تو اسی کو ملے گا جس کا ایمان سلامت ہو۔ ایک کافر کتنے ہسپتال قائم کر کے غریبوں کی مدد کرے اس کے کسی عمل کا اسے ثواب نہیں ملے گا۔ لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو نبی کی گستاخی کرتے ہیں وہ کتنی ہی لمبی لمبی نمازیں پڑھیں کتنے ہی صدقہ و خیرات کریں کتنے ہی بڑے بڑے مدرسہ کیوں نہ بنائیں اور چلائیں کتنی ہی تبلیغی کریں ان کے کسی نیک کام کا ان کو ثواب نہیں ملے گا۔ کیوں کہ ”گستاخی رسول“ کے باعث وہ کافر اور مرتد ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

☆ ان منافقوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے علم غیب کا مذاق اڑایا تھا کہ حضور کہتے ہیں کہ روم غالب آئے گا یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا اور ان کے اسلام سے نکلنے اور کافر ہونے کا اعلان فرما دیا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے علم غیب پر اعتراض کرنا یہ منافقوں کا طریقہ ہے اور ایسے لوگوں پر خدا کا عذاب نازل ہوگا۔ اور علم مصطفیٰ کا مذاق اڑانے والے اسلام سے خارج ہو کر اس آیت کی رو سے کافر و مرتد ہو جاتے ہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے علم پر اعتراض کرنے سے آدمی کو ڈرنا چاہیے۔

☆ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَعْتَدُوا.....

بہانے نہ بناؤ تمہارا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ معلوم ہوا کہ شان رسالت میں گستاخی اتنا بڑا جرم اور گناہ ہے کہ ہر بڑے سے بڑے گناہ کا عذر اللہ تعالیٰ قبول فرما کر معافی دیدیتا ہے۔ لیکن اس جرم کے لیے کوئی عذر قبول نہیں فرماتا اور ہر حال میں اس عظیم جرم کے مرتکب افراد کو بڑی دردناک سزا دے گا۔ لہذا جو لوگ گستاخانہ عبارتیں لکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بے ادبیاں کر کے اس کی تاویلین کرتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے

یہاں ان کی کوئی تاویل کوئی عذر کام نہیں آئے گا اور اس کے محبوب کی گستاخی کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے ہرگز ہرگز نہیں بچ سکیں گے۔

☆ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بڑا وسیع علم غیب عطا فرمایا تھا۔ کہ ان منافقوں نے آپس میں سفر کے دوران خاموشی سے یہ باتیں کہیں لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ان کی باتوں کا علم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ امتیوں کے خلوت و جلوت کا کوئی عمل کوئی قول اور کوئی فعل نبی کی نگاہوں سے او جھل اور مخفی نہیں۔ آج بھی ہر امتی کے اعمال پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نگاہ ہے۔ کیونکہ قرن کہنا ہے کہ آپ امتیوں کی کل قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ ظاہر ہے گواہی وہ ہی دے سکتا ہے جو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہر امتی کو اس کے ہر عمل کو اپنی آنکھوں سے آج بھی دیکھ رہے ہیں۔ جب ہی تو کل ہماری گواہی دیں گے۔

☆ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام کی ظاہری نشانیاں کتنی ہی کسی آدمی میں کیوں نہ موجود ہوں۔ خواہ وہ کتنا ہی نمازی ہو حاجی اور غازی ہو لیکن اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ادنیٰ سے توہین بھی کرتا ہے یا توہین کرنے والوں کے ساتھ راضی رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق وہ اسلام سے نکل گیا اور مرتد ہو گیا۔ اس کا نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ اس کے کوئی کام نہیں آئے گا۔ اور نہ یہ عبادات اس کو کافر اور مرتد ہونے سے بچا سکتی ہیں۔ لہذا نمازوں اور روزوں کی وجہ سے اس کو من نہ سمجھ لینا۔ گستاخی رسول کے باعث اس کا ایمان نکل چکا ہے۔

آیت نمبر (۲۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْبَلُوا مِنْ بَنِي السُّبْيَانِ لَيْسَ لَهُمْ بَأْسٌ شَيْءٌ وَمَوْلَاهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے (سورہ حجرات پارہ ۲۶)

فوائد:۔۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عید الاضحیٰ کے دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے پہلے قربانی کر لی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ادب سکھلایا گیا اور حکم دیا گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے پہلے کوئی کام نہ کرو۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم قربانی فرما چکیں اس کے بعد تم قربانی کرو۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور اتنی سی بے ادبی بھی نہ کرو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے پہلے کوئی کام کر لو۔ قابل غور ہے یہ بات کہ صحابہ کرام نے قربانی جیسی عظیم عبادت ادا کی تھی وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی تھی۔ تمام شرائط کے ساتھ کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی اس خالص عبادت پر اللہ تعالیٰ بجائے راضی ہونے کے ناراضگی کا اظہار فرما رہا ہے۔ اور اس عبادت کرنے پر ان کو ثواب کے بجائے اپنے عذاب سے ڈرا رہا ہے۔ درحقیقت خدا کو بتانا یہ مقصود تھا کہ میرے لیے کی گئی وہ عبادت ہی مجھے مقبول ہے جو میرے محبوب کے ادب کے ساتھ ہو۔ اگر کسی کے دل میں میرے پیارے نبی کا ادب واحترام نہیں تو وہ ہزار میری عبادتیں کرے، اس کی ساری عبادتیں بے کار ہیں۔ مجھے اس کی کسی عبادت کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ایسی عبادت اس کے کچھ کام آئے گی۔

دوسری اہم بات اس آیت مبارکہ میں یہ قابل غور ہے کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے پہلے قربانی کی اور آپ سے

آگے بڑھے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے آگے نہ بڑھو۔ جب کہ اللہ تعالیٰ جسم و مکاں سے پاک ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ادب واحترام کی اہمیت اور عظمت کو اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا ہے کہ میرے محبوب کی بے ادبی کو معمولی مت سمجھنا درحقیقت ان سے آگے بڑھنا مجھ سے آگے بڑھنا ہے، ان کی بے ادبی میری بے ادبی ہے۔ تو کتنا ہی توحید کا علمبردار بن جا میری وحدانیت اور عظمت کے کتنے ہی گیت گالے۔ لیکن اگر میرے محبوب کی گستاخی کرتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ تو درحقیقت میری ہی بے ادبی اور گستاخی کر رہا ہے۔ میرا اور میرے محبوب کا معاملہ علیحدہ علیحدہ نہیں۔ ان کا ادب میرا ادب ہے ان کی بے ادبی درحقیقت میری بے ادبی ہے۔ لہذا مجھ کو راضی کرنا چاہتے ہو تو میرے محبوب کا ادب کرو میں راضی ہو جاؤں گا۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ یہاں لَا تَقْلِبُوا..... کے اندر

مفعول کا ذکر نہیں کیا گیا یعنی قرآن نے مطلقاً مطلقاً فرمایا کہ آگے نہ بڑھو۔ یہ نہیں ذکر فرمایا کہ کس چیز میں آگے نہ بڑھیں.....؟ قربانی میں، نماز میں یا کسی اور کام میں.....؟ الغرض کس کام میں آگے بڑھنے سے منع کیا جا رہا ہے.....؟ اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس میں راز یہ ہے کہ اگر کسی خاص چیز کا ذکر کر دیا جاتا تو یہ حکم اس کے ساتھ مخصوص ہو جاتا۔ مثلاً اگر قربانی کا آیت میں ذکر کر دیا جاتا تو یہ حکم صرف قربانی کے ساتھ خاص ہو جاتا کہ قربانی کرنے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے آگے مت بڑھو اور حضور سے پہلے قربانی نہ کرو۔ لیکن اب دوسرے امور میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے آگے بڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ لہذا اس کو مطلق رکھ کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ تم اپنی زندگی کے کسی معاملہ میں بھی حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حکم اور حضور کے ارشادات سے اور آپ کی رضا سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا خواہ وہ اقتصادی معاملہ ہو معاشی یا معاشرتی معاملہ ہو سیاسی یا اخلاقی معاملہ ہو نجی ہو یا اجتماعی معاملہ ہو قومی ہو یا بین الاقوامی معاملہ ہو، الغرض کسی قول اور کسی فعل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حکم ان کی رضا یعنی کتاب و سنت سے آگے ہونے کی کوشش نہ کرنا بلکہ ہر معاملہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنے اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے کی کوشش کرنا۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سنت کی مخالفت نہ کرنا (تفسیر ابن عباس ۳۲۲) یعنی ہر دینی اور دنیوی معاملہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی رائے کو مقدم رکھنا ادب ہے اور اپنی رائے کو مقدم کرنا بے ادبی ہے۔

آیت نمبر (۲۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ لَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو، کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو (سورہ حجرات پارہ ۲۶، آیت ۲)

فوائد:۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں حضور سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ادب و احترام کی اہمیت کو کئی طریقہ سے آشکارا کیا جا رہا ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اولاً اور بالذات تو یہ خطاب صحابہ

کرام ہی سے ہو رہا ہے اور ان کو بارگاہِ مصطفیٰ کے ادب سکھلاتے ہوئے قرآنِ تنبیہ فرما رہا ہے کہ خبردار نبی کی آواز سے تمہاری آواز اونچی نہیں ہونی چاہیے۔ آواز اونچی ہوگئی تو اتنی سے بے ادبی پر تمہارے سارے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ وہ صحابہ کرام ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر اپنے جان و دل عزیز و اقارب سب کچھ قربان کر دیتے تھے۔ ان سے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بے ادبی کی غرض سے قصداً ایسا کریں گے لیکن ان کو یہ حکم دے کر درحقیقت یہ بتانا مقصود تھا کہ میرے محبوب کی بارگاہ کی بڑی عظمت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ محبت کے اندر اور جنونِ عشق کی وارفتگی کے اندر تم سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو اس بارگاہ کے ادب کے خلاف ہو۔ لہذا دیکھنا خبردار عشق و محبت کے اندر بھی دامنِ ادب تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اور اس عظیم بارگاہ کے ادب کا اس وقت بھی خیال رکھنا اور اس کی تعظیم میں کوئی فرق نہ آنے دینا۔ ادھر دنیا والوں کو اس سے یہ سبق دیدیا کہ اس عظیم بارگاہ کے معمولی سی بے ادبی اگر صحابہ کرام جیسے جان نثاروں سے وہ بھی غیر ارادی اور محبت کے اندر سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ بھی قابلِ معافی نہیں۔ اور اس کی سزا بھی یہ ہے کہ سارے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تو پھر دوسروں کی کیا حیثیت ہے اور ان کی گستاخی کب خدا کو گوارا ہو سکتی ہے۔

اپنے محبوب کی کوئی توہین بھی

خالقِ دو جہاں کو گوارا نہیں

☆ دوسری اہم بات یہاں یہ قابلِ توجہ ہے کہ رب کا قانون تو یہ ہے

کہ اگر کوئی برائی یا گناہ کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں وہ برائی لکھ دی

جائے گی۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ کرے وہ گناہ ضرور لکھا جائے گا۔ لیکن

اس گناہ کی وجہ سے جو اس نے اچھے اعمال کیے ہیں وہ ضائع نہیں کیے جائیں گے۔ مثلاً کسی نے شراب پی لی تو اس کا اس کو سخت گناہ ہوگا لیکن اس گناہ کی وجہ سے اس نے جو نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں وہ ضائع نہیں ہوں گے۔ لیکن تعظیم مصطفیٰ کی اہمیت اور عظمت دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اگر میرے محبوب کی معمولی سے بے ادبی بھی تم سے ہوگئی تو یہ ایک ایسا عظیم جرم ہے کہ اس کی وجہ سے اب تک تم نے جو نیکیاں کی ہیں وہ سب ضائع ہو جائیں گی۔ تمہارے سارے اچھے اور نیک اعمال برباد ہو جائیں گے۔ لہذا ادب مصطفیٰ میں ذرا سی کوتاہی بھی نہ آنے دینا اور یہ گھمنڈ نہ کرنا کہ میں نے تو بڑی نیکیاں کی ہیں تو نماز روزوں حج زکوٰۃ اور تبلیغوں کی وجہ سے بخشا جاؤں گا۔ ہرگز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی گستاخی کی وجہ سے تمہاری ساری نیکیاں برباد چلی جائیں گی۔ اور تمہاری بخشش کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔

☆ اب سوال یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بے ادبی کی وجہ سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کسی اور گناہ کی وجہ سے نیک اعمال ضائع نہیں ہوتے.....؟

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی انسان کو کافر اور مرتد کر دیتی ہے جب کہ کفر اور ارتداد ایسی چیز ہے جو پچھلے سارے نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے..... وَمَنْ يَزِدْ مِنْكُمْ عَنْ ذُنُوبِهِ فَمَا لَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّبَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ..... یعنی جو مرتد ہو کر کفر پر مرے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے سارے اعمال ضائع جائیں گے اور ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (بقرہ: ۲/۲)

(۲۱۷) اس سے ثابت ہوا کہ نیک اعمال کفر اور ارتداد کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میرے محبوب کی معمولی سی بے ادبی بھی کی تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اس سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بے ادبی سے آدمی کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کو ان نیکیوں کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی گستاخیاں کرنے والے کتنے ہی اچھے اعمال کیوں نہ کریں ان کی زندگی پر ان اچھے اعمال کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ آخرت میں تو سوائے رسوائی اور عذاب کے ان کے لیے اور کچھ نہیں۔

☆ اس آیت مبارکہ سے چوتھی اہم بات یہ ثابت ہو گئی کہ بھولے سے بغیر قصد و ارادہ کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بارگاہ میں آواز کا بلند ہونا کتنی معمولی سی بے ادبی ہے لیکن جب اتنی سی بے ادبی پر اتنی بڑی سزا کا قرآن اعلان کر رہا ہے کہ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یعنی تم مرتد اور کافر ہو جاؤ گے تو پھر جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بڑی بڑی گستاخیاں کرتے ہیں ان کا ایمان کب باقی رہے گا اور ان کی نیکیاں ان کے کیا کام آئیں گی۔ قرآن یہی تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بے ادبی سے بچو ورنہ مرتد ہو جاؤ گے اور تمہارے سارے نیک اعمال برباد چلے جائیں گے۔

☆ ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ انسان کو اگر اپنے کسی نقصان کا پتہ چل جائے تو وہ اس نقصان کی تلافی کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ مثلاً کسی کے یہاں زیور چوری ہو گیا تو اس کو پتہ چل گیا کہ میرا زیور چوری ہو گیا ہے تو پھر وہ اس کی بازیابی اس کے بدلہ دوسرا زیور بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اگر کسی کو

اس چوری کا پتہ ہی نہ چلے تو وہ آرام سے مطمئن بیٹھا رہے گا اور یہ سمجھتا رہے گا کہ میرے پاس تو اتنا زیور موجود ہے۔ لہذا اس کے حصول کی کوشش نہیں کرے گا۔ اسی طرح یہاں بھی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گستاخ مصطفیٰ کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اس کی اس سے بڑی بد نصیبی کیا ہوگی کہ اس کو ان اعمال کے ضائع ہونے کا پتہ بھی نہیں چلے گا وہ اسی غلط فہمی میں رہے گا کہ میں بڑا نمازی مانتی پرہیزگار ہوں لیکن جب قیامت کے دن اسے پتہ چلے گا کہ یہ سب نیکیاں تو گستاخی رسول کے باعث ضائع ہو گئی تھیں تو اس وقت سوائے حسرت و یاس کے اس کے پاس اور کچھ نہ ہوگا۔ اگر پہلے سے پتہ چل جاتا تو شاید وہ اس کا تدارک کر لیتا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس کو نقصان کی خبر ہی نہیں ہونے دیں گے تاکہ وہ اسی غلط فہمی کا شکار رہے اور نیکیوں کو بچانے کا کوئی بندوبست بھی نہ کر سکے اور سیدھا جہنم میں چلا جائے۔ الغرض بتانا یہ مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی انسان کے سارے اعمال ضائع کر کے اس کو سیدھا جہنم میں لے جاتی ہے اور اس جرہ کی تلافی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

۱۰ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آج بھی زندہ ہیں لہذا اس آیت پر عمل آج بھی مسلمانوں پر ضروری ہے اور مسجد نبوی میں اور روضہ شریف کے پاس بلند آواز سے بات نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ جہاں حدیث کا درس ہو وہاں بھی بلند آواز سے بات نہیں کرنی چاہیے کہ اس وقت روحانی طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی صحبت اور نیت حاصل ہوتی ہے۔

آیت نمبر (۲۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ
الْبَئِيسُ

اے ایمان والو (میرے محبوب کو) ”راعنا“ مت کہو بلکہ ”انظرنا“ کہو اور ان کی بات پہلے ہی غور سے سنا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے (سورۃ البقرۃ پارہ نمبر ایک، آیت نمبر ۱۰۴)

فائدہ:۔۔۔۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اپنے صحابہ کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور ان میں سے کسی صحابی کو کوئی بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ ان الفاظ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے درخواست کرتے تھے کہ ”راعنا“ یعنی یا رسول اللہ ہماری رعایت فرمائیے اور اس بات کی وضاحت فرمادیجئے۔ یہودیوں کی لغت میں ”راعنا“ ایک برے معنی میں استعمال ہوتا تھا انہوں نے یہ لفظ بری نیت سے بولنا شروع کر دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو ایسے لفظ کے بولنے سے ہی منع کر دیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کا کوئی شائبہ بھی ہوتا ہو اور صحابہ کو حکم دیا گیا کہ ”راعنا“ مت کہو بلکہ اس کے بجائے ”انظرنا“ کہو۔ جس کے معنی ہیں کہ یا رسول اللہ ہم پر نظر کرم فرمائیے۔

اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ”راعنا“ کے عربی میں کوئی غلط معنی نہیں اور نہ صحابہ کرام اس کو برے معنی میں استعمال کرتے تھے اور نہ ان کی اس لفظ سے کسی غلط معنی کی نیت ہوتی تھی۔ لیکن پھر بھی قرآن نے صحابہ کو ایسا لفظ استعمال کرنے سے ہی منع کر دیا جس سے کوئی دوسرا کسی دوسری لغت اور زبان میں کوئی غلط معنی

نکال سکتا ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جہاں صراحتاً بے ادبی کے الفاظ استعمال کرنا منع ہیں وہاں ان کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال بھی منع ہے جس سے دور کا بھی کوئی بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو۔ اگرچہ وہ لفظ اچھے معنوں ہی میں کیوں نہ مستعمل ہوتا ہو اور استعمال کرنے والے کی نیت بھی گستاخی کی نہ ہو۔ پھر بھی اگر اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کا کوئی ہلکا سا شائبہ بھی ہو تو ایسا لفظ حضور کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔

بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ عبارتیں لکھ کر پھر ان میں تاویلیں کرتے ہیں۔ اس کے اچھے معنی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہماری نیت گستاخی کی نہیں تھی۔ ان سب کا رد قرآن کی اس آیت نے کر دیا کہ تمہاری نیت کو نہیں دیکھا جائے گا کہ ان الفاظ سے تمہاری مراد کیا تھی یا اس لفظ کے کوئی اچھے معنی ہیں یا نہیں۔ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور بے ادبی کی کوئی ہلکی سی بو تو نہیں آرہی.....؟ اگر ایسا ہوا تو اس کے لیے اس آیت نے بتا دیا کہ وہ نبی کا گستاخ ہے اور کافر ہے اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور دنیا میں ایسے نبی کی گستاخی کرنے والوں کی کیا سزا ہے اس کے متعلق علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گفتگو کریں اور ان سے بے ادبی کی بو آئے تو سمجھ لو کہ یہی لوگ گستاخ ہیں اور ”مباح الدم“ ہیں اور ان کو قتل کرنا واجب ہے (الصارم المسلول ص ۲۴۱) اسی لیے حضرت بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عہد کر لیا تھا کہ جس کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کا یہ کلمہ کہتے ہوئے سنیں گے تو اس کی گردن اڑادیں گے (فتح القدیر جلد اول ص ۱۲۵) بہر حال اس آیت سے ثابت ہوا کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو خواہ وہ

گستاخی اس نے قصد کی ہو یا بغیر قصد کے، اس کی نیت اور ارادہ گستاخی کا ہو یا نہیں، ان الفاظ کے اچھے معنی ہوں یا نہیں، اگر اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور توہین کا ہلکا سا شائبہ بھی ہوگا تو وہ شخص مرتد اور کافر ہو جائے گا اور اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہوگا کہ ایسے گستاخ کو فوراً قتل کی سزا دے۔

اس آیت میں ”وَاسْمَعُوا“ فرما کے نبی کے ادب و احترام کی اہمیت کو مزید آشکارا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے محبوب کی بارگاہ ہے اس میں ہوش کے ساتھ حضور کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کے بیٹھا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو غور سے سنا کرو کہ بار بار پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ کیونکہ یہ بھی میرے محبوب کی بارگاہ کے ادب کے خلاف ہے کہ تمہاری توجہ کسی اور طرف ہو اور تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غور سے نہ سناؤ اور تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ”انظرنا“ کہنے کی ضرورت پیش آئے۔ ہاں اگر غور سے سننے کے باوجود کبھی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت ”راعنا“ مت کہو کہ اس میں بھی بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے بلکہ ”انظرنا“ کہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شعر نہیں پڑھنا چاہیے اس سے انسان مشرک ہو جاتا ہے، شعر یہ ہے۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْظِرْ حَالَنَا

يَا حَبِيبَ اللَّهِ اِسْمَعْ قَالَنَا

جس کے معنی ہیں کہ یا رسول اللہ ہمارے حال پر نگاہ کرم فرمائیے اور یا حبیب اللہ ہماری فریاد کو سن لیجئے۔ جب کہ اس آیت میں خود اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دے رہا ہے کہ میرے محبوب کو ”انظرنا“ کہو۔ ظاہر ہے یہ آیت قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں کو اپنے حالات پر نگاہ کرم فرمانے کی درخواست کرنا شرک و بدعت نہیں بلکہ رب کے حکم پر عمل ہے۔

اور اس شعر میں بھی چونکہ ”اَنْظَرْنَا“ کہہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی جا رہی ہے لہذا یہ بھی شرک نہیں بلکہ رب کے ارشاد پر عمل ہے۔

آیت نمبر (۲۳)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ
خَرَجَاتٍ مَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

اے محبوب تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنالیں، پھر جو تم فیصلہ فرما دو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ دل و جان سے اس کو تسلیم کر لیں (سورہ نساء پارہ ۵، آیت ۶۵)

نوٹ:۔۔۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ دو آدمی کسی معاملہ میں جھگڑ پڑے اور اپنا نزاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر آئے۔ آپ نے شرعی لحاظ سے جس کا حق بنتا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا کہ چلو حضرت عمر سے فیصلہ کراتے ہیں۔ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور ان سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا تو جس کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا اس نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ یہ بات میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ابھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہو کر آرہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں۔ لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نہیں مان رہا اور مجھے آپ کے پاس لیکر آیا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے سے پوچھا کیا واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ شخص کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں یہ صحیح کہہ رہا ہے۔ تو پھر آپ نے فرمایا..... مَكَانِكُمْ حَتَّىٰ أَخْرَجَ إِلَيْكُمَا لِقَاضِيٍّ بَيْنَكُمَا لَخْرُوجِ إِلَيْهِمَا مُشْتَمِلًا عَلَىٰ سَيْفِهِ لَضَرْبِ الَّذِي قَالَ رَدْنَا إِلَىٰ عَمْرٍو لِقَتْلِهِ..... یعنی آپ نے

فرمایا کہ تم ابھی یہیں اپنی جگہ پر ٹھہرو میں ابھی تمہارے پاس آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں آپ اندر سے تلوار نکال کر لائے اور وہ شخص جس نے کہا تھا کہ چلو عمر سے فیصلہ کراتے ہیں اس کو قتل کر دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (لباب النقول فی اسباب النزول، لجلال الدین سیوطی، ص ۶۹، بحوالہ ابن مردویہ)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مان کر جو اتنی سی بے ادبی بھی کرتا ہے اس کا فیصلہ عمر کی عدالت میں یہ ہے کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت نازل فرما کے عمر کے اس فیصلہ کی تصدیق فرمادی اور قرآنی مہراس پر لگادی کہ ایسا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی وجہ سے مرتد ہو گیا اور عمر نے اس کو جو قتل کیا وہ بالکل درست ہے۔ اب ذرا غور فرمائیے جو اتنی سی بے ادبی پر اسلام سے نکل جاتا ہے اور اس کی سزا اسلام میں قتل ہے تو جو لوگ نبی کی بڑی بڑی گستاخیاں کرتے ہیں ان کا ایمان اور اسلام کب باقی رہ سکتا ہے.....؟ یقیناً ایسے لوگ اسلام سے بالکل نکل جاتے ہیں اور مرتد ہو کر اسلامی سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

☆ اس آیت کا دوسرا حصہ ثُمَّ لَا يَجْنُوا لِي أَنْفُسِهِمْ حَرْجًا مِمَّا

قضیت..... خاص طور پر قابل غور ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میرا محبوب جو فیصلہ فرمادے صرف یہ نہیں کہ اس کو زبان سے مان لو بلکہ اگر تمہاری مرضی کے خلاف فیصلہ ہو تو دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی محسوس نہ کرنا۔ حالانکہ شریعت میں دل کے وسوسوں اور خیالات پر کوئی پکڑ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے ہیں۔ لیکن جب محبوب کی بارگاہ کے ادب و احترام کا معاملہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہاں میں نے اپنا قانون بدل دیا۔ یہاں صرف تمہارا ظاہری طور پر تسلیم کرنا کافی نہیں بلکہ دل سے بھی اس کو ماننا ضروری ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے محبوب کے ادب و احترام کی کتنی اہمیت ہے کہ دل میں بھی بے

ادبی کا خیال لانا بھی اس کو گوارا نہیں۔ اگر کوئی ظاہری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو مان لے لیکن دل سے نہ مان کر دل میں بے ادبی کا احساس رکھے وہ بھی اس آیت کی رو سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔ اب غور فرمائیں کہ جو لوگ زبان سے نبی کی گستاخیاں کرتے ہیں بھلا رب کو وہ کب گوارا ہو سکتی ہیں۔ جب محبوب کی گستاخی کا خیال لانا بھی اس کو گوارا نہیں تو گستاخی کا زبان یا بدن کے کسی عضو سے اس کا مظاہرہ رب کو کب گوارا ہو سکتا ہے اور ایسا شخص کب مسلمان رہ سکتا ہے۔

آیت نمبر (۲۴)

وَمِنْهُمْ مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رِضًا وَإِن لَّمْ يَعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَشْخَطُونَ ○

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ پر خیرات کے بانٹنے میں نکتہ چینی کرتے ہیں، پس اگر ان کو اس مالِ غنیمت میں سے کچھ مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر اس میں سے کچھ نہ ملے تو ناراض ہو جاتے ہیں (سورہ توبہ آیت نمبر ۵۸)

فائدہ:--- یہ آیت کریمہ ایک منافق حرقوس بن زہیر جس کا لقب ذوالنحوہصرہ تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اس کا تفصیلی واقعہ بخاری و مسلم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ فتح حنین کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو اس منافق ذوالنحوہصرہ نے بڑے گستاخانہ لہجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ انصاف کیجئے۔ آپ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں نے انصاف نہ کیا تو اور کون انصاف کرے گا.....! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنَّ لِي لِيَدًا ضَرِبْتُ عَنْقِيَا رَسُولَ اللَّهِ مَجِّهًا اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا عمر رہنے دو، اس کے ساتھی ایسے ہوں گے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے آگے حقیر جانے گا، اپنے

روزے ان کے روزوں کے آگے حقیر جانے گا، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے (صحیح بخاری کتاب المناقب ص ۵۰۹)

☆ اس آیت مبارکہ اور اس کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دو عطاء، علم، حلم، طاقت و قدرت الغرض آپ کی کسی بھی صفت اور شان پر اعتراض کرنا یہ منافقوں کا کام ہے۔ جیسا کہ اس منافق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاء و بخشش پر اعتراض کیا۔ سچا مومن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی صفت پر نہ کبھی کوئی اعتراض کرے گا اور نہ اس میں کوئی خامی اور کمی تلاش کرے گا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ منافق ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں، وہ جہنمی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم اس کا مقدر ہے۔

☆ دوسری اہم بات یہ پتہ چلی کہ قیامت تک آنے والے ان نبی کے گستاخ منافقوں کی نشانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی۔ آج ہم ان نشانیوں کے ذریعہ ایسے گستاخ منافقوں کی بڑی آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان کی نشانی یہ ہے کہ یہ اتنی اچھی نمازیں پڑھیں گے اور اتنے اچھے روزے رکھیں گے کہ ان کی نمازوں اور روزوں کے آگے عام مسلمان اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھے گا۔ اور اپنی عبادتوں سے شرمائے گا۔ وہ قرآن کی تلاوت بھی خوب کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ لہذا آج بھی اگر کوئی نماز اور روزوں پر بہت زور دے ہر وقت اس کی تبلیغ کرے بہت عمدہ لمبی لمبی نمازیں پڑھے لیکن ساتھ میں اپنی کتابوں تحریروں اور تقریروں اور نجی محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور گستاخی کرے تو سمجھ لو کہ یہ پکا منافق ہے جہنمی ہے اور اسی ذوالخوبصہ کی نسل سے ہے۔

☆ تیسری سب سے اہم بات یہ ثابت ہوئی کہ ہر نمازی حاجی اور قاری

مسلمان نہیں ہوتا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بہت سے ایسے بھی ہیں جو بہت اچھے قاریوں کے بڑے بچے نمازی ہوں گے لیکن گستاخی رسول کے باعث وہ اسلام سے ایسے نکل گئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ یعنی جب تیر شکار کو چیرتا ہوا نکلتا ہے تو اس تیر پر اس شکار کے خون وغیرہ کے کوئی آثار کوئی نشانی تک موجود نہیں ہوتی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گستاخ نماز اور روزوں کے باوجود اسلام سے ایسے نکل جائیں گے کہ اسلام کا ذرہ برابر اثر ان کے دل میں موجود نہیں ہوگا۔ یعنی جہنمی ہوں گے اور ان کا نماز روزہ سب بیکار جائے گا۔ لہذا ایسے لوگوں کی لمبی لمبی نمازوں اور روزوں سے دھوکہ میں آکر ان کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ مسلمانوں جیسا ان کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے بلکہ ایسے نبی کے گستاخوں سے دور رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گستاخی رسول کے باعث اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو لعنت ان پر برس رہی ہے اس کا جو عتاب ان پر نازل ہو رہا ہے اس کی لپیٹ میں ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی آجائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے..... **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.....** کہ دنیا میں تمہیں جس کے ساتھ محبت اور دوستی ہوگی قیامت کے دن ان ہی کے ساتھ ہوگے۔ لہذا ایسوں کی دوستی سے بھی بچو۔

آیت نمبر (۲۵)

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَانُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو (اے محبوب) تمہارے حضور حاضر ہو جاتے اور پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتا تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے (سورہ نساء پارہ نمبر ۵، آیت نمبر ۶۳)

فوائد:--- اس آیت مبارکہ سے کئی اہم فائدے اور سبق ہمیں حاصل

ہوئے ☆ پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع اور سفارشی ہیں اور ان کی شفاعت اور سفارش کے بغیر بگڑی نہیں بنے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا کہ اگر اپنے گناہوں کو معاف کروانا چاہتے ہو تو نبی کے پاس آؤ اور وہ بھی تمہاری سفارش کریں تب تمہارے گناہ معاف کروں گا۔ معلوم ہوا کہ گناہوں کی بخشش اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حضور کی سفارش اور شفاعت کے بغیر نہیں مل سکتی۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش اور شفاعت سے گنہگاروں کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی اور ان کے بیڑے پار ہو جائیں گے۔ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے..... **يَوْمَ لَا يَنفَعُ لِيهِمْ وَلَا خَلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ.....** قیامت کے دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی نہ شفاعت اور سفارش (بقرہ ص ۲۵۴) لہذا ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی کام نہیں آئے گی (معاذ اللہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات جن میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد کفار کی شفاعت بتوں کی شفاعت یا جبراً شفاعت مراد ہے کہ اس قسم کی وہاں شفاعت کوئی کام نہیں آئے گی۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے پیارے اولیاء کی شفاعت ضرور ہوگی اور گنہگاروں کے کام آئے گی۔ چنانچہ خود قرآن میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا..... **لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا.....** کہ شفاعت نفع نہ دے گی مگر ان کو جن کے لیے رب نے اجازت دی اور اس کے کلام سے رب راضی ہوا (طہ ۲۰/۱۰۹) ان سے معلوم ہوا کہ نبیوں ولیوں جن کے قول سے رب راضی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کریں گے۔ اور پھر مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو خود حکم دے رہا ہے کہ

میرے محبوب کی سفاوش لے کر آؤ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قابل قبول نہ ہوتی تو ان کی سفارش کروانے اور شفاعت لانے کا کیوں حکم دیتا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء اولیاء کی شفاعت برحق ہے اور جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے قائل نہیں وہ مندرجہ بالا آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہیں۔

☆ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ آدمی جس کی خطا کرے معافی کے لیے اسی کے در پر لایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ عجیب ہے۔ گناہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے کیے، نماز اس کی نہیں پڑھی، روزہ اس کا نہیں رکھا، حج اس کا نہیں کیا لیکن معافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس آؤ بلکہ فرمایا میرے محبوب کے پاس جاؤ۔ درحقیقت اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ ایک تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ میرا اور میرے محبوب کا معاملہ علیحدہ علیحدہ نہیں۔ ان کی بیعت میری بیعت ہے، ان کا پھینکنا میرا پھینکنا، ان کی رضا میری رضا ہے، ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے لہذا ان کا در میرا در ہے۔ جو یہاں آگیا وہ میرے پاس آگیا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مفر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اور دوسری یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ ”بلا واسطہ“ میرے پاس آنے کا

خیال اپنے دل سے نکال دو۔ میرے محبوب کے وسیلہ اور توسل سے جو میرے پاس

آئے گا وہ میرا محبوب ہے۔ اسی لیے ان کے پاس بھیجا جا رہا ہے کہ ان کا وسیلہ لیکر

آؤ۔ اگر بغیر ان کے وسیلہ کے ”ڈائریکٹ“ آگئے تو ذلیل و رسوا ہو گے۔ اور اللہ

تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محروم ہو جاؤ گے۔

وہ کہ جو اس در کا ہوا خلق خدا اس کی ہوئی

وہ کہ جو اس در سے پھرا اللہ اس سے پھر گیا

بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ شرک ہوتا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لانے کے لیے کیوں بھیجتا۔ جب کہ دوسری آیت میں اور واضح طریقہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے..... **وَ اَبْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ**..... کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اس آیت میں ایمان اور اعمال کا پہلے ذکر آگیا لہذا وسیلہ سے ایمان اور اعمال تو مراد ہونگے نہیں۔ بلکہ یقیناً اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہوگی کہ آپ کا وسیلہ لے کر آؤ۔ خود ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا تو ان کی توبہ قبول ہوگئی (طبرانی ۲۰/۸۲ - مستدرک ۲/۶۱۵ - ابن عساکر ۲/۲۵۷ - زر قانی ص ۶۲ - مواہب اللدنیہ ص ۱۲ - خصائص کبریٰ ص ۱۷) قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے..... **وَ كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا**..... کہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر کے دعا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کافروں پر ان کو فتح عطا فرما دیا کرتا تھا۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب قحط پڑا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا اور ان کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کیا کرتے تھے تو تو بارشیں برسا دیا کرتا تھا آج ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں ہمیں بارش عطاء کر دے اور قحط سالی دور فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس وسیلہ کو قبول فرمایا اور بارش برسنی شروع ہوگئی (بخاری) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا وسیلہ پکڑنا یہ نبیوں اور ولیوں اور صحابہ کا طریقہ رہا ہے۔ اور

اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ مشکلیں آسان فرماتا رہا ہے۔ اور اپنی رحمتوں سے نوازتا رہا ہے اور ہمیشہ نوازتا رہے گا۔ لہذا آج بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے گا وہ کامیاب اور بامراد ہے اور جو بغیر وسیلہ کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا وہ اس آیت کی رو سے ناکام و نامراد ہے۔

اس آیت مبارکہ میں زمانہ کی کوئی قید نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قیامت تک کوئی بھی شخص گناہ کرے اس کے لیے یہ حکم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرائے۔ اب جیسا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور کچھ سنتے نہیں، انہیں کچھ علم نہیں، وہ کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمیں کیوں بھیجا.....؟ جب اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کرانے کو کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی جہاں بھی ہو اور جس زمانہ میں بھی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے احوال کو دیکھ بھی رہے ہیں۔ آپ کو اس کے حالات کی خبر بھی ہے۔ آپ اس کی فریاد کو سنتے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی سفارش اور شفاعت کر کے اس کی مشکلیں بھی آسان فرمادیتے ہیں۔ جب وہ گناہ جیسی مشکل آسان کر دیتے ہیں تو دنیا کی اور کوئی چھوٹی موٹی مشکل ان کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہے.....؟ وہ فریاد کرنے والے کی ہر مشکل آسان کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر فرط غم سے نڈھال ہو کر گر پڑا اور یہ آیت مبارکہ تلاوت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گناہوں کی سفارش کے لیے عرض کیا۔ تو قبر انور سے آواز آئی کہ جا تجھے بخش دیا گیا (قرطبی) معلوم ہوا کہ وصال کے بعد بھی آپ امت کی فریاد کو سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور ان کی مشکلیں آسان فرماتے

☆ اس آیت میں جگہ کی کوئی قید نہیں لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ دنیا کے کسی کونے اور گوشہ میں کوئی رہنے والا ہو وہ اگر گناہ کرے تو اپنے گناہوں کو بخشوانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار امتی سارے جہاں میں پھیلے ہوئے ہیں اور بہت سے اتنے غریب ہیں کہ وہ مدینہ نہیں پہنچ سکتے تو ان کے گناہ پھر کیسے معاف ہوں گے.....؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مدینہ میں حاضر ہو جاؤ بلکہ فرمایا کہ میرے محبوب کے پاس آ جاؤ یعنی ان کی طرف متوجہ ہو کر روحانی طور پر ان کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور پھر ان سے فریاد کرو۔ تم دنیا کے جس کونہ میں اور گوشہ سے ان کو پکارو گے وہ تمہاری فریاد کو سن بھی لیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری سفارش کر کے تمہارا بیڑا پار لگا دیں گے۔ وہ تو تمہارے قریب ہیں..... النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ..... کہ نبی مومنوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہے (الاحزاب ۳۳/۴) لہذا جہاں ہو وہیں سے عرض کر دو وہ تمہاری فریاد کو سن کر وہیں سے تمہاری سفارش کر دیں گے اور تمہاری بخشش کا سامان ہو جائے گا۔

آیت نمبر (۲۶)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ○

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا (حضرت شموئل علیہ السلام) کہ اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے دلوں کا چین ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کی

کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جو انہوں نے چھوڑی ہیں، اٹھائے ہوئے ہونگے اسے فرشتے، بیشک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو (سورہ بقرہ پارہ نمبر ۲ آیت

(۲۳۸)

فوائد:۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں جس صندوق کا ذکر ہو رہا ہے یہ شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا صندوق تھا۔ جس میں انبیائے کرام کے کچھ تبرکات تھے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی جوتیاں، اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ، حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی، توریت کی تختیوں کے چند ٹکڑے اور کچھ من و سلوئی وغیرہ تھے۔ بنی اسرائیل جب کافروں سے جہاد کے لیے جاتے اور دشمنوں کے عظیم لشکر کو دیکھ کر ڈر جاتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھ لیا کرتے تھے۔ جس سے ان کے دلوں میں سکون و طمانیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور اس کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ کافروں پر ان کو فتح و نصرت عطاء فرمادیتا تھا۔ اگر اس کے وسیلہ سے وہ دعا کرتے تھے تو ان کی مشکلیں آسان ہو جاتی تھیں، بلائیں دور ہو جاتی تھیں اور مرادیں ان کی پوری ہو جاتی تھیں۔ مگر جب بنی اسرائیل کے گناہ اور سرکشی بڑھی تو قوم عمالقہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کر دی۔ جس نے بنی اسرائیل کا قتل عام کر کے ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان سے یہ صندوق بھی اٹھا کر لے گئے۔ اور ان عمالقہ کے کافروں نے اس صندوق کو ایک کوڑے کے ڈھیر پر لے جا کے ڈال دیا۔ اس صندوق کی بے ادبی سے اس قوم عمالقہ پر طرح طرح کی مصیبتیں اور بیماریاں نازل ہوئیں۔ جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اس صندوق کی بے ادبی کی وجہ سے ہم پر مصیبتیں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس صندوق کو ایک نیل گاڑی پر رکھ کر بنی اسرائیل کی طرف ہانک دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چار فرشتوں کو بھیجا جو بڑی تعظیم کے ساتھ اس صندوق کو بنی اسرائیل کے اس وقت کے نبی حضرت شموئیل، یہ السلام کے پاس لیکر آئے۔ جس کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے طاوت کی بادشاہی کو تسلیم کر لیا۔

کیوں کہ طاقت کی بادشاہی کو ماننے کے لیے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ تبرک صندوق دوبارہ ہمارے پاس آجائے۔ اس قرآنی واقعہ سے بہت سے فوائد ہمیں حاصل ہوئے۔

☆ پہلا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے نسبت ہو جائے وہ تبرکات بڑے برکت والے اور بڑے عزت و عظمت والے ہو جاتے ہیں۔ دیکھیے وہ صندوق جس میں انبیاء علیہم السلام کے تبرکات تھے۔ ان کا کتنا بڑا مرتبہ ہو گیا کہ قرآن کہتا ہے..... **تَعْمَلُهُ الْمَلَائِكَةُ**..... کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے جنہوں نے اپنے نورانی کندھوں پر اٹھا کے اس کو حضرت شموئیل علیہ السلام تک پہنچایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے تبرکات بڑے لائق تعظیم و تکریم ہوتے ہیں۔ لہذا جو لوگ مکہ اور مدینہ میں اپنے نبی سے نسبت رکھنے والے ستونوں درو دیواروں، پہاڑ کے پتھروں، درخت کے پتوں اور خاک کے ذروں کو چومتے ہیں اور اس کا ادب کرتے ہیں وہ درحقیقت اس آیت پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہی سبق دیا گیا ہے کہ ان تبرکات کا احترام اور تعظیم کرنا شرک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے..... **إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ**..... کہ یہ تمہارے ایمان کی نشانی ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اس کی عظمت کو سمجھ کر اس کی تعظیم کرو گے۔ دوسرے مقام پر قرآن میں صفا اور مروہ وہ دو پہاڑیاں جن پر اللہ تعالیٰ کی ایک پیاری ولیہ حضرت ہاجرہ کے قدم لگے تھے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی فرمایا اور اپنی نشانیوں کی تعظیم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا..... **وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ**..... کہ ہماری نشانیوں کی تعظیم شرک نہیں بلکہ دلوں کے تقوے کی علامت ہے (سورہ حج ۲۲/۳۳۲) اسی لیے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجامت بنواتے تھے تو صحابہ کرام آپ کے ارد گرد کھڑے

ہو جاتے تھے اور آپ کا کوئی بال زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ بلکہ اس کو ہاتھوں میں اٹھالیا کرتے تھے (مسند احمد ۱۲۷/۳ - مسلم شریف ۲/۲۵۶) اور اس کو خوشبوؤں میں بسا کر بڑے ادب سے اپنے پاس رکھا کرتے تھے (بخاری ص ۵۰۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی جب بلال لاتے تو لوگ اس تبرک کو لینے کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے۔ جس کو یہ پانی مل جاتا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے چہرے پر مل لیا کرتا تھا۔ اور جس کو نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ سے کچھ تری حاصل کر کے برکت حاصل کر لیا کرتا تھا (بخاری ص ۵۰۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کبیل مبارک جس میں آپ کا وصال ہوا تھا اپنے پاس بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا (بخاری ص ۳۳۸) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک کو بڑے ادب سے رکھا ہوا تھا اور وہ اس کی زیارت کراتے تھے (بخاری ص ۸۷۱/۳۳۸) حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تو انہوں نے مشکیزہ کا وہ حصہ جہاں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبہائے مبارک لگے تھے وہ بطور تبرک کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا (ترمذ ص ۲، ص ۱۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر پر ہاتھ پھیر کے ان ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر مل لیا کرتے تھے (شفاء لقاضی عیاض ۲/۳۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ناخن اور بال اور ایک کربہ موجود ہے جب میرا انتقال ہو جائے تو اس کربہ کو میرے کفن کے اندر اس طرح رکھنا کہ میرے جسم سے وہ مس ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ، آنکھوں اور مواضع سجود پر رکھ دینا کہ اگر اس وقت کوئی چیز میرے کام آئے گی تو یہی چیزیں ہیں (الاستیعاب لابن عبد البر علی ہامش الاصابہ جلد نمبر ۳ ص ۳۹۹) بہر حال ان آیات اور احادیث سے ثابت ہوا

کہ تبرکات کی تعظیم کرنا، اس کا احترام کرنا، اس سے برکتیں حاصل کرنا، اس کو ادب سے بحفاظت رکھنا اور اس کو اپنی قبر میں رکھنے کی وصیت کرنا یہ سب امور شرک و بدعت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی سنت ہے اور رب کی رحمت و مغفرت کے نزول کا باعث ہے۔

☆ تیسری اہم بات اس آیت سے یہ ثابت ہوئی کہ انبیاء اور اولیاء کے تبرکات نافع بھی ہیں دافع بھی ہیں اور مشکل کشا بھی ہیں۔ دیکھیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فِيهَا سَكِينَةٌ** کہ اس صندوق میں دلوں کا چین ہے یعنی اس تبرکات والے صندوق سے دلوں کو طمانیت اور سکون ملتا ہے۔ پھر بنی اسرائیل اس سے نہ صرف جہاد میں طمانیت اور سکون حاصل کرتے تھے بلکہ اس کے صدقہ سے بڑی بڑی مشکلات حل کر لیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے تبرکات میں یہ تاثیر ہے کہ اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں اور مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اسی لیے قرآن میں آتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈالا گیا تو ان کی بینائی واپس آگئی (سورہ یوسف آیت ۹۶) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے میں نے حاصل کر لیا تھا اور اسے دھو کر بیماروں کو پلاتے تھے تو ان کو شفاء مل جاتی تھی (مسلم ۱۹۰/۲ - مشکوٰۃ ص ۳۷۶) حضرت ام سلمہ کے پاس ایک چاندی کی ڈبیہ تھی جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک تھے وہ جب کسی کو نظر لگ جاتی تھی یا کوئی بیمار ہوتا تھا تو وہ پانی کا برتن آپ کے پاس بھیج دیا کرتا تھا آپ اس میں وہ ڈبیہ ڈبو دیا کرتی تھیں اور اس پانی کو جب بیمار پیتا تھا تو اس کو شفاء ملتی چلی جاتی تھی (بخاری ۸۷۵/۲) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ٹوپی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک سیئے ہوئے تھے جس کی برکت سے ان کو ہر

جنگ میں فتح و نصرت ملتی تھی (عمدة القاری شرح بخاری ۳/۳۷) ثابت ہوا کہ تبرکات سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بیماریاں اور بلائیں رد ہوتی ہیں اور مرادیں برآتی ہیں۔ جب ان اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے تبرکات کی یہ تاثیر ہے تو خود اللہ تعالیٰ کے پیارے کیوں نہ مشکل کشا اور دافع بلاء ہوں گے.....؟

☆ چوتھی اہم بات اس آیت سے یہ ثابت ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے جسم سے لگنے والے تبرکات میں یہ برکتیں اور تاثیریں ہیں تو پھر جس قبر میں خود اللہ کے پیارے کا جسم موجود ہوگا وہاں کیوں نہ اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں گی۔ اور اس قبر کے صدقہ میں کیوں نہ مشکلیں آسان ہوں گی اور کیوں نہ مرادیں پوری ہوں گی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مدینہ میں شدید قحط پڑا اور لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ روضہ شریف کی چھت میں ایک سوراخ اس طرح کر دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے۔ جب لوگوں نے ایسا کیا تو پارش اسی وقت برسنی شروع ہو گئی اور اتنی برسی کہ اس سال کا نام ”عام فتن“ ہو گیا کہ اونٹوں کے جسم کھا کر چربی سے پھٹنے لگے (سنن دارمی ۱/۲۳) اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کے دو رکعت نماز پڑھ کے ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں اسی وقت میری مشکل آسان ہو جاتی ہے (فتاویٰ شامی ۱/۴۱) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب قبر میں رکھا تو ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ لوگ بطور تبرک آپ کے مزار کی مٹی کو لیجانے لگے یہاں تک کہ آپ کی قبر کے ارد گرد ایک لکڑی کا جال بنا دیا گیا تاکہ لوگوں سے قبر محفوظ رہے۔ پھر جب سمرقند میں قحط پڑا تو قاضی شہر سب لوگوں کو لے کر آپ کی قبر پر گیا اور آپ کی قبر کے وسیلہ سے دعا

کی تو اس زور کی بارش ہوئی کہ سات روز تک مسلسل ہوتی رہی (تیسیر الباری شرح بخاری ۱/۲۲) بہر حال ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے مزارات پر حاضری دینا اور ان کے مزارات کے وسیلہ سے دعائیں کرنا قبولیت دعا اور رحمت خداوندی کا موجب ہوتا ہے۔

☆ پانچویں بات اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے تبرکات کی بے ادبی اور توہین کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔ دیکھیے قوم عمالقمہ نے جب اس تبرکات والے صندوق کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینکا تو وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ لہذا بزرگوں کے تبرکات اور ان کی قبروں کی بے ادبی اور گستاخی سے بچنا چاہیے کہیں اس گستاخی اور بے ادبی کے سبب خدا کے قہر اور عذاب سے دوچار نہ ہو جائیں۔

آیت نمبر (۲۷)

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِئْسَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۵۸

اے حبیب آپ فرمادیجئے کہ اللہ کا وہ فضل جو ان پر ہوا اور اللہ کی رحمت جو انہیں عطاء کی گئی اس کے سبب وہ خوشیاں منائیں یہ اس سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں (سورہ یونس پارہ نمبر ۱۱ آیت نمبر ۵۸)

فائدہ:۔۔۔۔۔ اس آیت ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دے رہا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت“ کے ملنے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے فضل اور رحمت سے یہاں کیا مراد ہے.....؟ تو آئیے قرآن حکیم سے ہی پوچھتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے..... **وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ**..... مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فضل اور رحمت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے

کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں میں تم پر اپنا فضل اور رحمت نہ کرتا تو تم تباہ و برباد ہو جاتے۔ دوسرے مقام پر اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی سب سے بڑی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ”رحمت للعالمین“ بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا اب مندرجہ بالا آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دے رہا ہے کہ جو سب سے بڑی رحمت ہے یعنی ”رحمت للعالمین“ کی ذات گرامی ان کی آمد اور ان کے میلاد پر خوب خوشیاں مناؤ اور اس پر خوب فرحت و مسرت کا اظہار کرو۔

☆ اس آیت میں ”فضل اور رحمت“ دو چیزوں کا ذکر کیا لیکن ان کے لیے ضمیر اس کے بعد ”زالک“ کی واحد لائی گئی۔ حالانکہ دو چیزوں کے لیے عربی میں ضمیر تشبیہ کی آتی ہے۔ لیکن یہاں واحد کی ضمیر لا کر اشارہ کر دیا کہ میرا فضل اور میرا رحمت سے یہاں دو علیحدہ علیحدہ چیزیں مراد نہیں ہیں بلکہ ایک ذات مصطفیٰ مراد ہے جو میرا عظیم فضل بھی ہے اور میری سب سے بڑی رحمت بھی ہے۔ لہذا اسی ایک ذات کی آمد پر خوشیاں منانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوش ہونے اور اس کا شکر ادا کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ نماز پڑھ کر بھی، روزہ رکھ کر بھی اور دیگر عبادت کر کے بھی، صدہ و خیرات کر کے بھی۔ الغرض مختلف طریقوں سے اظہار مسرت کر کے اس کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں کسی خاص چیز کا اس آیت میں ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ نماز شکرانہ ادا کر کے فرحت کا اظہار کرو اور میرا شکر یہ ادا کرو تو میلاد شریف پر صرف نماز پڑھ کے اظہار مسرت کرنے والا قرآن پر عمل کرنے والا ہوتا لیکن دوسرے انداز سے مسرت اور فرحت کا اظہار پھر مشروع نہ بنتا۔ لیکن رب کائنات

نے **لَيُفْرِحُوا** کا عام لفظ لا کر بتا دیا کہ تم خوشی اور فرحت کے مواقع پر جس انداز سے جس اپنے ملک اور تہذیب و تمدن کے مطابق خوشیاں مناتے ہو۔ میرے محبوب کی آمد پر بھی اسی طرح اور اسی انداز سے خوب فرحت اور مسرت کا اظہار کر کے میری اس عظیم نعمت پر میرا شکریہ ادا کرنا۔ لہذا اب جو کوئی میلاد شریف کے موقع پر روزہ رکھتا ہے کوئی نمازیں پڑھتا ہے کوئی الوان و اقسام کے کھانوں کی دیکیں پکاتا ہے کوئی اپنے گھر کو سجاتا ہے کوئی قمقمے لگاتا ہے کوئی بجلیاں جلاتا ہے کوئی چراغاں کرتا ہے۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام جس انداز سے خوشی مناتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کر کے اس کا شکریہ ادا کر رہا ہوتا ہے۔ بہر حال ثابت ہو گیا کہ ہر وہ خوشی جس کی اسلام میں ممانعت نہیں آئی، میلاد شریف کے موقع پر اس خوشی کا منانا نہ شرک ہے نہ بدعت۔ بلکہ قرآن پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کا طریقہ ہے۔

☆ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کئی تاکیدیں ذکر فرمائیں۔ ایک لفظ ”قُلْ“ لایا گیا دوسرا ”بِنَالِكَ“ کے لفظ کا اضافہ کیا گیا۔ پھر تیسرے ”ذَالِكَ“ کے لفظ پر ”فَا“ کا اضافہ کیا گیا۔ چوتھے ”يُفْرِحُوا“ کے لفظ پر ”فَا“ کا اضافہ اور ”لَاَم“ تاکید کا اضافہ کیا گیا۔ پانچویں ”بِفَضْلِ اللَّهِ“ میں جار مجرور کو مقدم لا کر حصر کا فائدہ دیا گیا۔ چھٹے رحمت کے لفظ پر ”ب“ دوبارہ لائی گئی۔ الغرض اس کلام کو رب نے کئی تاکیدوں کے ساتھ موکد کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رب عَلَّامُ الْغُيُوبِ ہے۔ اس کو پتہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ میرے محبوب کے ”میلاد“ منانے کو شرک و بدعت کہا جائے گا اور اس سے روکا جائے گا اس لیے رب نے پہلے ہی سے قرآن میں اپنے محبوب کے میلاد پر خوشیاں منانے کے حکم کو کئی تاکیدوں کے ساتھ موکد کر کے مسلمانوں کو بتا دیا کہ دیکھو خبردار کوئی اس کی کتنی ہی ممانعت کرے لیکن تم کسی کے برکانے میں نہ آنا بلکہ ضرور بالضرور میرے محبوب کے میلاد کی خوشیاں منا کر

میرے محبوب بن جانا۔ دیکھو کسی کی باتوں میں آکر اس میں ذرا سی کوتاہی نہ کرنا،
خوب خوشیاں منانا اور مجھے راضی کر لینا۔ اول تو رب کا کہہ دینا ہی اس کے بندوں
کے لیے کافی تھا چہ جائیکہ اتنی تاکیدوں کے ساتھ وہ حکم دے۔ اب بھلا کس کی مجال
ہو سکتی ہے کہ وہ اس عظیم حکم سے سرتابی کرے۔ اگر اتنے پر زور حکم کے باوجود اب
بھی اگر کوئی میلاد شریف نہیں مناتا یا اس کو برا سمجھتا ہے تو اس سے بڑا خدا کا
نافرمان کون ہوگا.....؟

☆ اس آیت کے اخیر میں فرمایا..... **هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ.....**

کہ یہ تمہارا خوشیاں منانا اس سے بہتر ہے جو کچھ تم نے جمع کیا ہے۔ اب جمع دو ہی قسم
کی چیزیں کی جاتی ہیں۔ ایک دنیا کے حوالہ سے مال دولت اور دوسرے آخرت کے
حوالہ سے اعمال صالحہ۔ یعنی نماز روزہ حج و زکوٰۃ اور صدقات و خیرات وغیرہ۔ لہذا
اس آیت کے اب معنی یہ ہوں گے کہ خواہ تم بنگلے کوٹھیاں اپنی جائدادیں کاریں
بینک بیلنس الغرض یہ مادی دولت جمع کر لو یا خوب نمازیں روزے عمرے اور صدقات
و خیرات کر کے اخروی دولت جمع کر لو لیکن یاد رکھنا میرے محبوب کے میلاد کی خوشیاں
منانا ان سب سے بہتر ہے.....! دراصل اس آیت میں ان لوگوں کو جواب
دے دیا جو یہ کہتے ہیں کہ میلاد شریف کے موقع پر چراغاں سجاوٹ اور جلسے جلوسوں پر
پیسہ خرچ کرنے کے بجائے کسی یتیم بیوہ وغیرہ پر خرچ کر دیا جاتا تو اچھا رہتا۔ گویا اس کا
جواب دیدیا گیا کہ اپنے بچوں کی ولادت ان کی شادی بیاہ وغیرہ اپنے ملک کی آزادی یا
کسی سربراہ مملکت کے آنے پر خوب خوشیاں مناتے ہو بے دریغ پیسہ خرچ کرتے ہو
اس وقت تمہیں یہ بات یاد نہیں آتی۔ جب میرے محبوب اور ساری کائنات کے
محسن کی آمد پر اظہار مسرت کا وقت آتا ہے تمہاری جبینوں پر شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ یاد
رکھو میرے محبوب کی آمد پر خوشیاں منانا مجھے تمہارے تمام نیک اعمال سے زیادہ
پیارا ہے۔ اور یہ اظہار مسرت تمہارے لیے بھی تمام اعمال خیر سے بدرجہا افضل و

بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ اعمال نماز و روزہ حج و زکوٰۃ سب ہی میرے محبوب ہی کا صدقہ تو ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ سب سے بڑی میری نعمت میرے محبوب کی آمد ہے۔ لہذا اس پر خوب خوشیاں مناؤ کہ یہ تمہارے تمام اعمال جو تم نے جمع کیے ہیں ان سب سے بہتر ہے۔

☆ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک منانے کا حکم دیا جب کہ عالم ارواح میں تمام انبیاء کی پاک روحوں کو جمع کر کے پاک مجمع میں اپنے محبوب کی آمد کا ان کے اوصاف کا ذکر کر کے میلاد مصطفیٰ کی محفل سجا کر عرش پہ اپنے محبوب کا رب نے خود میلاد منایا۔ پھر قرآن میں کبھی

..... لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ فرما کے۔ کبھی لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا فرما کے۔ کبھی وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ فرما کے اپنے محبوب کی آمد اور ان کی ولادت کا بار بار ذکر کر کے ان کے میلاد کی محفل بار بار سجا کر یہ اشارہ کر دیا کہ میں بھی بار بار اپنے محبوب کا میلاد قرآن میں منا رہا ہوں۔ تم بھی اپنے آقا کا بار بار میلاد منایا کرو۔ رب کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے تمام نبیوں نے اپنے اپنے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور ولادت کا ذکر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک منایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس طرح میلاد منایا وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِّنْ

بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے میلاد کی خوشی منائی۔ اور وہ اس طرح کہ اپنا عقیدہ فرمایا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ عقیدہ زندگی میں دوبار نہیں ہوتا جب آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کا عقیدہ کر چکے تھے تو آپ کے عقیدہ کرنے کا کیا مقصد؟ دراصل یہ آپ نے اپنے ولادت کی خوشی منائی اور بطور شکرانہ ایسا کیا تاکہ امت کے لیے میلاد پر کھانے پکانا اور دیگیں لٹانا سنت ہو جائے۔ ہم اس خوشی میں گلی اور کوچہ و بازار سجاتے ہیں۔ رب نے اپنے

محبوب کی آمد پر میلاد کی خوشی میں ساری زمین کو سرسبز و شاداب کر کے سجادیا، قحط سالی دور ہو گئی اور خوش حالی ہریالی اور تروتازگی سے روئے زمین پر نکھار آ گیا۔ ہر طرف سبز مخملی چادر بچھادی گئی اور درخت پھلوں اور پھولوں سے مزین کر دیئے گئے۔ ہم بندے ٹیوب لائٹ اور مرچیں لگا کر گلی کو چوں کو روشن کرتے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب کی آمد پر ایسا عظیم چراغاں کیا کہ حضرت بی بی آمنہ کے بطن سے ایسا نور ظاہر فرمایا جس سے شرق و غرب سارا جہاں روشن ہو گیا (سیرت جلیبہ ص ۹۱ / طبقات ابن سعد) ہم اس خوشی میں جھنڈے لگاتے ہیں رب نے بھی فرشتوں کے ذریعہ تین جھنڈے لگوائے۔ ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک کعبہ اللہ کی چھت پر۔ ہم میلاد کی خوشی میں لڈو اور مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔ رب نے اپنی شان کے لحاظ سے دنیا بھر کی عورتوں کو اس خوشی میں لڑکے ہی لڑکے عطا فرمائے (انوار محمدیہ لنسہانی ص ۲۲ / السیرة العلیبہ ص ۷۸) الغرض رب نے اپنے محبوب کے میلاد کی خوشیاں منانے کا حکم دے کر اور خود بھی خوشیاں منا کر قیامت تک کے لیے میلاد منانے کو اپنی سنت اور اپنے خاص قرب کا ذریعہ بنا دیا۔ لہذا آج جو میلاد کی خوشیاں منائے گا وہ سنت الہیہ اور سنت انبیاء اور سنت مصطفیٰ اور سنت اولیاء پر عمل پیرا ہوگا۔

آیت نمبر (۲۸)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقْلِبُكَ فِي السَّاجِدِينَ ○
 آپ توکل اسی ذات پر کریں جو غالب و رحیم ہے وہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام کرتے ہیں اور آپ کا سجدہ کرنے والوں میں گردش کرنا بھی ملاحظہ کرتا ہے (سورہ شعراء پارہ ۱۹، آیت ۲۱۹)

فائدہ:--- اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا کہ سجدہ کرنے والوں میں آپ کی گردش اور آپ کے منتقل ہونے کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جو آپ کے آباؤ اجداد کی پشتوں میں منتقل ہوتا رہا اور گردش کرتا رہا۔ رب اس کو بھی دیکھ رہا تھا (ابو نعیم / مسالک الحنفاء ص ۴۰) تفسیر جمل ۳/۳۹۶، تفسیر صاوی ۲/۲۸۷ اور تفسیر کبیر میں بھی اسی قسم کی تفسیر کی گئی ہے کہ ”ساجدین“ سے وہ مومن مرد اور عورتیں مراد ہیں جن کی پشتوں اور رحموں میں آپ کا نور منتقل ہوتا رہا اس کو رب دیکھ رہا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے لیکر حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک سب کے سب مومن تھے۔ کیونکہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام آباؤ اجداد اور امہات جن کی پشتوں اور رحموں میں آپ کا نور منتقل ہوتا رہا ان کو قرآن نے ”ساجدین“ سجدہ کرنے والے کہا جس سے معلوم ہوا کہ ان میں سے کافر اور مشرک کوئی بھی نہیں تھا بلکہ سب صاحب ایمان تھے۔ اس کی تصدیق قرآن کی اس دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے والد اور مولود دونوں کی قسم ارشاد فرمائی ہے کہ.....

وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ..... (سورہ بلد آیت ۹) اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں والد سے مراد حضور کے آباؤ اجداد ہیں اور ”وما ولد“ سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے (تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص ۲۶۳) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی قسم ارشاد فرما کے ان کی عظمت اور کرامت کا اظہار کر کے ان کے ایمان کو بیان فرمادیا۔ کیونکہ قسم عزت و عظمت والی چیز کی کھائی جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت و عظمت صرف اسلام میں ہے۔ چنانچہ فرمایا.....

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ..... اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد سب مومن ہونے کے باعث معزز تھے۔ جب ہی تو

لائق قسم قرار پائے۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کافر تھے۔ انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ معاذ اللہ اگر وہ کفر پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن میں ان کو ساجدین کے لقب سے کیوں یاد کرتا اور ان کی قسم کیسے ارشاد فرماتا.....؟ جب کہ ایک صحیح حدیث مبارک میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رد فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی نسل انسانی دو حصوں میں بٹی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں کیا جو ان دونوں میں بہتر تھا۔ اپنے والدین کے یہاں میری ولادت اس حال میں ہوئی کہ زمانہ جاہلیت کی کسی برائی نے مجھے نہیں چھوا۔ آدم سے لے کر میرے والدین تک میرے اجداد اور جدات میں کہیں بھی کوئی بدکاری نہیں پائی جاتی۔ میں تم سب سے نفس کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں اور باپ کے لحاظ سے بھی (تفسیر مظہری)

اس حدیث مبارک سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد اور امہات و جدات سب کے سب کفر اور فسق و فجور سے پاک تھے۔ المعجم الاوسط میں امام طبرانی نے جو روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنی والدہ ماجدہ کے لیے رب کی بارگاہ میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو میری خاطر زندہ فرمایا وہ مجھ پر ایمان لائیں اور اس کے بعد پھر برزخ کی طرف لوٹ گئیں۔ تو اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے مسلمان نہیں تھیں۔ زندہ کر کے ان کو مسلمان کیا گیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو زندہ کر کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھوا کے صحابیت کے مرتبہ اور بلند و بالا درجات پر فائز کرنا مقصود تھا۔ اس لیے ان کو زندہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھوایا گیا (نبراس ص ۵۲) وہ احادیث جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا کفریہ چلتا ہے وہ سب منسوخ ہیں۔ اس حدیث سے جس میں زندہ کر

کے ان کو کلمہ پڑھانے کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے حجۃ الوداع کا۔ اس کے علاوہ کفر والی حدیثیں منسوخ ہیں اس آیت مبارکہ سے بھی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے..... **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا**..... ہم اس وقت تک کسی قوم کو عذاب نہیں دیں گے جب تک کوئی نہ کوئی رسول ان کے پاس بھیجا نہ جائے (سورہ اسراء ۱۷/۱۵) یعنی ایسا دور جس میں کوئی شریعت اپنی اصلی حالت میں موجود نہ ہو نہ ہی کسی رسول نے اپنی رسالت کا اعلان کیا ہو ایسے دور کو ”دور فترۃ“ کہتے ہیں۔ اور اس دور کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں اعلان فرما رہا ہے کہ میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔ تو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا بھی دور فترۃ سے تعلق تھا۔ کیونکہ آپ کے والد گرامی اس وقت فوت ہو گئے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر میں تھے۔ اور آپ کی والدہ کا اس وقت انتقال ہوا تھا جب آپ کی عمر شریف صرف چار سال کی تھی اور آپ نے ابھی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا۔ لہذا قرآنی اصول کے مطابق کیونکہ آپ کے والدین ”اہل فترۃ“ سے ہیں لہذا آپ جنتی ہیں اور آپ کو عذاب نہیں ہوگا۔ لہذا اس آیت کے خلاف اگر کوئی حدیث ہے جس سے آپ کے عدم ایمان کا اظہار ہوتا ہو تو وہ منسوخ سمجھی جائے گی اور قرآن کے مقابلہ میں اس حدیث پر نہیں کیا جائے گا (التعظیم والمنہل لجلال الدین مہوطی ص ۴۷)

بہر حال صحیح اور درست عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین صاحب ایمان اور جنتی ہیں۔ حضرت علامہ آلوسی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ خود کافر نہ ہو جائیں.....! آپ فرماتے ہیں کہ کسی کے ماں باپ کو کافر نہ کہو کہ وہ جہنمی ہیں تو اس کو کتنی ایذاء پہنچے گی۔ لہذا جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں وہ دراصل حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ جب کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے..... ان
الَّذِينَ يُوْذَوْنَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ فِي النَّبَا وَالْآخِرَةِ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول کو ایذا پہنچا رہے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت
اور پھنکار پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے گستاخانہ عقیدوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

آیت نمبر (۲۹)

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اَتِيكُ بِهِ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفَكَ

اور جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں اس کو (تخت کو) آپ کے پاس
حاضر کروں گا آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے (سورہ نمل پارہ ۱۹، آیت نمبر ۴۰)

فائدہ:۔۔۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم

میں سے کون بلیس کے تخت کو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے لے کر آسکتا ہے۔ ایک
جن کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں اس تخت کو اس مجلس کے برخاست ہونے سے
پہلے لے کر آسکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں مجھے اس سے بھی جلدی وہ تخت یہاں
چاہیے۔ یہ سن کر آپ کے ایک غلام آپ کی امت کے ایک ولی آصف بن برخیا
کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میں اس تخت کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے
لے آؤں گا۔ چنانچہ آپ نے پلک جھپکی تو وہ تخت آپ کے سامنے تھا.....!

قرآن کے اس واقعہ سے سب سے پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے نبیوں کی امت کے اولیاء کو یہ روحانی طاقتیں عطاء فرمائی ہیں کہ وہ ملک سبا
سے بیت المقدس تک جو تقریباً ڈیڑھ ہزار میل کی مسافت بنتا ہے۔ وہاں سے ایک
ایسے بھاری بھر کم تخت کو جو اسی گز لمبا اور چالیس گز چوڑا تھا اور ہیرے جواہرات
اور چاندی سے مرصع تھا اس کو ایک سینڈ میں بلکہ اس سے بھی پہلے پلک جھپکنے کے
اندر لے کر آسکتے ہیں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے اولیاء کی یہ شان

ہے تو امام الانبیاء کی امت کے اولیاء جن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔ ان کی روحانی طاقتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ جب ایک اللہ تعالیٰ کا ولی اپنی جگہ پر بیٹھ کے سیکڑوں میل دور شاہی محل میں رکھے ہوئے تخت کو دیکھ بھی رہا ہے اور اپنا ہاتھ بڑھا کر وہاں سے اس کو آن واحد میں لا رہا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء دور دراز پھیلے ہوئے اپنے مریدوں غلاموں اور چاہنے والوں کی حالت زار کو کیوں نہیں دیکھ سکتے.....؟ اور مشکل وقت میں جب وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کی کیوں نہیں مدد کریں گے۔ یقیناً وہ ان کی دستگیری فرماتے ہیں۔ دیکھیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کے ممبر پر بیٹھ کے سیکڑوں میل دور نماوند کے مقام پر میدان جنگ میں اسلامی لشکر کو دیکھ بھی لیا اور ممبر پر بیٹھے بیٹھے..... يَا سَابِئَةَ الْجَبَلِ..... فرما کے ان کی مدد بھی فرمائی۔ اتنے فاصلہ پر بغیر کسی وارنریس اور ٹیلی فون کے ان کی آواز وہاں پہنچ بھی گئی اور اس آواز پر عمل کر کے وہ جنگ میں کامیاب و کامران ہو گئے۔

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے لیے قرب و بعد کی کوئی حیثیت نہیں وہ دور دراز کی مسافتوں پر اپنے غلاموں کو دیکھ بھی لیتے ہیں۔ ان کی فریادوں کو سن بھی لیتے ہیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان کی مدد بھی فرما دیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ درحقیقت قرآن کا انکار کر رہا ہے کہ یہ حقیقت قرآن سے ثابت ہے۔ لہذا حضرت غوث پاک رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں روئے زمین کو ایک رائی کے دانہ کے برابر دیکھتا ہوں پھر فرمایا کہ میرا مرید مشرق میں ہو اور میں مغرب میں ہوں اور اس کا ستر کھل جائے تو میں اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے وہیں سے اس کی ستر پوشی کر دوں گا۔ اور قیامت تک جو میرے سلسلہ میں آنے والا اگر ٹھوکر کھانے لگے گا تو میں اس کو سنبھال لوں گا۔ یہ آپ کا ارشاد سچ اور حق ہے۔ اسی طرح حضرت

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں روئے زمین کو ناخن کے مانند دیکھتا ہوں۔ یہ بھی برحق ہے۔ اور اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کے ولیوں کو یہ سب روحانی طاقتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کے پاس کتاب یعنی تورات کا تھوڑا سا علم تھا وہ پلک جھپکنے میں تخت لے آیا۔ اس سے علم کی فضیلت بھی پتہ چل گئی کہ جس کے پاس تھوڑا سا علم تھا اس کی اتنی بڑی طاقت تھی تو جو اولیائے کرام قرآن کے علوم کے حامل ہوں گے ان کی طاقتیں تو پھر اس سے بھی کہیں زیادہ ہوں گی۔ جب تورات کا تھوڑا سا علم رکھنے والا سیکڑوں میل سے تخت بلقیس کو دیکھ بھی سکتا ہے۔ اور آن واحد میں اٹھا کر لا بھی سکتا ہے تو وہ اولیائے کرام جن کے سینے اللہ تعالیٰ کی سب سے آخری اور افضل کتاب یعنی قرآن کے علوم سے روشن و منور ہیں وہ کیوں نہیں بیڑے ترا سکتے اور مشکلیں آسان کر سکتے اور آن واحد میں ہاتھ بڑھا کر مصیبت میں گرفتار بندگان خدا کی دستگیری کیوں نہیں کر سکتے۔

اور جب اولیاء کی یہ شان ہے جن کے پاس قرآن کا تھوڑا سا علم ہے تو خود حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ سارا قرآن نازل ہوا اور.....
الرحمن علم القرآن..... فرما کے رب نے جن کو سارے قرآن کے مکمل علم عطاء فرمادیئے ان کی طاقتوں اور قوتوں کا پھر کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ان کی تو ادنیٰ سے طاقت یہ ہے کہ ان کے ایک معمولی سے اشارے پر شجر و حجر اور شمس و قمر بھی فوراً تعمیل حکم بجالاتے ہیں۔ اب بھی اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت و قدرت اور قوت کا انکار کرے اور کہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے تو اس کے لیے یہی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کانوں پر مہر لگادی ہے جو نبی کی شان اس کو کچھ نظر ہی نہیں آرہی۔

اشارے سے چاند چیر دیا، چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا

گئے ہوئے دن کو عصر کیا، یہ تاب و توان تمہارے لیے

آیت نمبر (۳۰)

حَتَّىٰ إِذَا تَوَاعَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَعْطَمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا

یہاں تک کہ جب وہ (حضرت سلیمان علیہ السلام) چیونٹیوں کی وادی سے گزرے تو ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل نہ ڈالیں، تو (سلیمان علیہ السلام) اس کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے (سورہ نمل پارہ ۱۹، آیت ۱۸)

فوائد:--- اس آیت سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے ☆ پہلا فائدہ تو

یہ حاصل ہوا کہ اگر کسی چیونٹی کو ہمارے کان کے اندر بھی رکھ دیا جائے تب بھی ہم اس کی آواز کو نہیں سن سکتے۔ جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے اس چیونٹی کی آواز کو سن لیا۔ جو اپنی ساتھی چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے تو کہیں ہم کچلے نہ جائیں۔ لہذا اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ آپ اس کی یہ بات سن کر مسکرا دیئے۔ معلوم ہوا کہ نبی ہمارے جیسے نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم سے کہیں زیادہ طاقتیں عطاء فرمائی ہوتی ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان کو اپنے اوپر قیاس کر کے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ دور کی آواز نہیں سن سکتے بلکہ وہ دور و نزدیک کی ہلکی سے ہلکی آواز بھی سن لیتے ہیں۔ ان کو اپنے جیسا نہیں سمجھنا چاہیے۔

☆ دوسرا اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جب حضرت سلیمان علیہ

السلام تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں تو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بھی نبی ہوں بلکہ سارے نبیوں کے امام ہوں وہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ

علیہ وسلم مدینہ میں جلوہ گر ہوتے ہوئے ہم دور افتادہ غلاموں کی فریاد نہیں سن سکتے.....؟ ان کا غلام کائنات کے کسی کونہ اور گوشہ میں ہو جب ان سے فریاد کرتا ہے تو وہ اس کی فریاد کو خود سن بھی لیتے ہیں اور فریاد رسی بھی فرماتے ہیں۔ مدینہ سے یہاں ہمارے ملکوں اور شہروں کی دوری کیا حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی شان تو یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کے آسمان کی آوازیں سن لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز آپ نے فرمایا کہ اس وقت آسمان سے چرچراہٹ کی آواز آئی ہے۔ اور اس سے ایسی آواز آئی بھی چاہیے کیونکہ اس میں کوئی ایک قدم بھر جگہ بھی ایسی نہیں جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کناں نہ ہوں۔ لہذا اس کی وجہ سے یہ آواز آئی ہے (ترندی / تفسیر کبیر، زیر آیت **إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ**) یہ تو آسمان کی آواز تھی۔ میرے نبی کی شان تو یہ ہے کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر جنت ہے۔ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تھے اور زمین پر حضرت بلال چل رہے تھے۔ تو سرکار نے فرمایا اے بلال میں نے جنت میں تیری جوتیوں کے چلنے کی آواز سن لی تھی (بخاری و مسلم) حضرت حارث بن نعمان سے فرمایا کہ میں نے تمہاری تلاوت اور قرأت کی آواز جنت میں سنی تھی۔ یہ تو آواز کی بات تھی۔ میرے آقا سرور کون و مکان کا مقام تو یہ ہے کہ جہاں ظاہری آواز بھی نہیں ہوتی صرف دل میں کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ میرے آقا اس دل کی آواز کو بھی سن لیتے ہیں۔ آپ نے خود فرمایا خدا کی قسم تمہارا رکوع اور تمہارا خشوع و خضوع یعنی عبادت کے وقت جو کیفیت تمہارے دل میں پیدا ہوتی ہے مجھ سے وہ بھی پوشیدہ نہیں ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۱) آج بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی کائنات کے جس گوشہ اور کونہ میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ درود پڑھنے والے کی آواز کو میں خود سنتا ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وفات کے بعد بھی آپ سنیں گے.....؟ آپ نے فرمایا ہاں وفات کے بعد

بھی اسی طرح سنوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسموں کو زمین پر کھانا حرام کر دیا ہے (سنن ابن ماجہ / طبرانی / جلاء الافہام جلد ۱ ص ۷۴) اور میرا نبی صرف دور سے آواز سنتا ہی نہیں بلکہ مدد بھی فرماتا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز وضو خانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کَبَيْكُ نُصِرْتُ میں حاضر ہوں تیری مدد کی گئی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں تو کوئی نہیں ہے یہ آپ کس سے کلام فرما رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا بنو کلب کا رجز خواں مجھے مدد کے لیے پکار رہا تھا تو اس کے جواب میں میں میں کہہ رہا تھا کہ میں حاضر ہوں اور تیری مدد کی گئی۔ حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ تین دن کے بعد جب آپ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو میں نے سنا کہ وہ ہی رجز خواں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدعیہ اشعار پیش کر رہا تھا (طبرانی معجم صغیر ص ۲۰)۔

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

☆ اس آیت مبارکہ سے تیسری اہم بات یہ ثابت ہوئی کہ چیونٹی نے اپنی ساتھی چیونٹیوں سے کہا کہ بلوں میں گھس جاؤ کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں بے خبری میں نہ کچل دیں۔ معلوم ہوا کہ چیونٹی کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ نبی کے ساتھی ان کے صحابی کسی پر جان بوجھ کر کبھی ظلم نہیں کرتے۔ اسی لیے اس نے کہا کہ لَا يَشْعُرُونَ یعنی بے خبری میں کہیں نہ کچل دیں ورنہ قصداً وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ لہذا آج جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے لیے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ انہوں نے حضرت علی یا حضرت بی بی عائشہ اور دیگر اہل بیت اطہار پر ظلم کیا تھا وہ چیونٹی سے بھی کم عقل ہیں۔ صحابہ سب آپس میں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے پر اپنی جانیں نچھاور کرتے تھے۔

بھلا ان سے کیسے تصور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ہی ساتھیوں پر ظلم کرتے۔ وہاں ظلم کا کیا کام۔ وہاں تو حلم ہی حلم اور کرم ہی کرم تھا۔

☆ اس آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سن کر ہنس دیئے۔ معلوم ہوا کہ نبی ہر زبان اور ہر بولی کو جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا وسیع علم عطاء فرمایا ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علاقوں کے اپنے امتیوں کی زبانیں اور بولیاں کیسے سمجھیں گے۔ تو اس کا جواب آگیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب چیونٹی کی زبان سمجھ سکتے ہیں۔ اور میرا نبی جب اونٹ بکری ہرن اور چڑیا کی زبانیں سمجھتا ہے تو کیا اپنے مختلف زبانیں بولنے والے امتیوں کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو اس نے ایک آواز نکالی۔ آپ نے فرمایا اس کے مالک کو بلاؤ۔ جب اس کا مالک آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ کو میرے ہاتھ پر فروخت کر دو۔ اس نے عرض کیا یا ہم تو آپ کو بغیر قیمت کے ہی پیش کر دیتے لیکن ہمارا سارا گزر بسر اسی اونٹ پر ہے۔ آپ نے فرمایا اونٹ اپنے ہی پاس رکھو لیکن دیکھو اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ میرا مالک مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور چارہ کم دیتا ہے۔ لہذا آئندہ ایسا مت کرنا اور اس کا خیال رکھنا۔ جب آپ کچھ آگے گئے تو ایک درخت چیرتا اور دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ٹہنیاں اور پتے آپ پر جھکا دیئے اور تھوڑی دیر بعد واپس چلا گیا۔ آپ نے فرمایا اس درخت نے پروردگار عالم سے اجازت مانگی تھی کہ میں تیرے حبیب کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس کو اجازت مل گئی۔ وہ سلام کرنے حاضر ہوا تھا پھر چلا گیا (مشکوٰۃ ص ۵۳۰) ثابت ہوا کہ جو نبی اونٹ اور درختوں کی بولیاں سمجھ کر ان کی فریادرسی فرما سکتا ہے وہ مختلف زبانیں بولنے والے اپنے امتیوں کی بولیاں بھی سمجھ سکتا ہے اور ان کی فریادرسی بھی فرما سکتا ہے۔

آیت نمبر (۳۱)

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ
فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہو گیا جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے
درخت کے نیچے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے
ان پر سکینہ یعنی اطمینان اتارا اور جلد آنے والی فتح کا انعام دیا (سورہ فتح پارہ ۲۶/۲۷
آیت ۱۸)

فائدہ:۔۔۔۔ یہ آیت کریمہ ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی
جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایک بول کے
درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ اس بیعت میں حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق
اور حضرت علی بھی موجود تھے۔ جب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دشمنوں سے بات چیت کے لیے بھیجا تھا۔ جب ان کی
شہادت کی جھوٹی خبر مسلمانوں میں پھیلی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے
اس جوش و جذبہ کو دیکھتے ہوئے اور اس کی قدر کرتے ہوئے صحابہ سے جہاد کی بیعت لی
اور اپنے بائیں ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا کہ اے اللہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اپنے دائیں کو
اٹھا کر فرمایا کہ یہ محمد رسول اللہ کا ہاتھ ہے۔ اور اس طرح غائبانہ حضرت عثمان غنی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی بیعت لیکر ان کو بھی اس بیعت کی برکتوں میں شامل
فرمایا۔ اس آیت سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔

☆ پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ اس بیعت میں شامل ہونے والوں کو اللہ
تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ”مؤمنین“ کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ جب کہ اس
بیعت میں تینوں خلفاء اور ان تینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا خلیفہ اور امام ماننے والے صحابہ بھی موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ تینوں خلفاء اور ان کے ماننے والے صحابہ سب مومن اور کامل الایمان ہیں۔ کیونکہ ان کے ایمان کی گواہی خود قرآن دے رہا ہے۔ لہذا معاذ اللہ اگر آج کوئی ان کو یہ کہتا ہے کہ یہ اسلام سے نکل گئے تھے تو وہ درحقیقت قرآن کا انکار کر رہا ہے۔ اور قرآن کو معاذ اللہ جھوٹا بتا رہا ہے۔ ساتھ ساتھ حدیث کا بھی انکار ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے درخت کے نیچے بیعت کی اس میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ لہذا معاذ اللہ ان بیعت کرنے والے خلفاء اور دیگر صحابہ کو کافر و غاصب اور جہنمی بتانا درحقیقت قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے۔

☆ بعض لوگ جو صحابہ کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس وقت بیعت کے وقت تو یہ مومن تھے لیکن بعد میں معاذ اللہ کافر ہو گئے تھے۔ تو اس کا جواب بھی اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دے دیا۔ فرما..... لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ..... کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ ظاہر ہے جس سے خدا راضی ہو گیا اس کا یقیناً انجام بھی بخیر ہو گا اور آخر تک اس سے مرضی مولیٰ کے خلاف کوئی کام صادر نہیں ہو گا۔ کیونکہ خدا علام الغیوب ہے۔ اگر آئندہ ان سے کوئی غلط کام یا کوئی کفریہ کام صادر ہونے والا ہوتا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کبھی بھی ان سے اپنی رضامندی اور اپنی خوشنودی کا اظہار نہ کرتا۔ اس علام الغیوب رب کی طرف سے ان کے لیے رضامندی کا اعلان اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ان کے انجام کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ان سے آخر تک کوئی کام مرضی مولیٰ کے بغیر صادر ہونے والا نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمادیا۔

☆ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافتیں بھی برحق تھیں۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان تینوں خلفاء اور ان کی خلافتوں کو تسلیم کرنے والے اور ان کو اپنا امام ماننے

والوں کو نہ صرف یہ کہ مومن کامل کے خطاب سے نواز رہا ہے بلکہ ان سے اپنے راضی ہونے کا اعلان بھی فرما رہا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی خلافتیں حق تھیں۔ اگر معاذ اللہ ان کی خلافتیں ظلم اور غصب سے حاصل کر رہے ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے کبھی بھی اپنی رضامندی کا اعلان نہ فرماتا۔ پھر دوسری بات یہ کہ اسی آیت میں آگے فرمایا گیا کہ ہم نے ان پر اطمینان اور سیکنہ نازل فرمایا یعنی اب انہیں سوء خاتمہ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مل گئی تو اب شرک و کفر اور فسق و فجور کا وہاں کیا کام۔ اب وہاں ہر برائی سے طمانیت اور اطمینان ہے کہ کوئی برائی ان کے پاس نہیں آنے پائے گی۔ لہذا بعد میں ان کے معاذ اللہ گمراہ ہونے کا خیال بھی مت لانا۔

☆ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اولیائے کرام جو مریدوں سے نیک اعمال کے کرنے اور برے اعمال سے بچنے پر بیعت لیتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ کیونکہ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اہم عمل یعنی جہاد پر بیعت لی لیکن یہ بیعت لینے کا حق اسی کو ہے جو نبی کے علم ظاہر اور علم باطن دونوں کا وارث ہو۔ صحیح عقیدہ رکھتا ہو اور تابع شریعت ہو۔ اور جن میں یہ صفات نہ ہوں ان سے بیعت کرنا درست نہیں۔

☆ اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب بھی ثابت ہو گیا کہ آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ قرار دیکر ان سے بھی بیعت لی گویا یہ اشارہ فرما دیا کہ حضرت عثمان غنی شہید نہیں ہوئے، یہ خبر غلط ہے بلکہ وہ تو زندہ ہیں جب ہی تو ان سے بھی تمہاری طرح بیعت لے رہا ہوں۔

آیت نمبر (۳۲)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا
اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ

بَعْدِ خَوْفِهِمْ آمِنًا

اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور بالضرور خلیفہ بنائے گا ان کو زمین میں جیسے بنایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور ضرور بالضرور ان کے لیے جمادے گا ان کا دین جو ان کے لیے اس نے پسند فرمایا ہے اور ضرور بالضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا (سورہ نور پارہ ۱۸ آیت ۵۵)

فائدہ:--- تمام مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کی خلافت کا اعلان فرمایا ہے اور اس آیت سے حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذوالنورین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان چاروں خلفاء کی خلافت کا حق ہونا اور ان میں سے ہر ایک کا خلیفہ راشدہ اور امام برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خلافت دینے اور ان کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن اس سے عام مسلمان حکمرانوں یا بنو عباس یا بنو امیہ کے خلفاء یا امام مہدی وغیرہ کی خلافت اور حکومت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے..... الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ..... کہ تم صحابہ کرام میں سے جو اس وقت (نزول آیت سے پہلے) ایمان لائے ہیں ان کو خلافت دوں گا۔ ظاہر ہے وہ صرف حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا اور کوئی نہیں۔ کیونکہ یہی وہ چاروں صحابہ ہیں جو نزول آیت کے وقت ایمان لائے تھے اور ان ہی کو خلافت ملی۔ تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے جس خلافت کے دینے کا وعدہ فرمایا تھا وہ یہی خلافت راشدہ ہے۔ جو حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صورت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کی گئی۔ لہذا جو خلافت اور حکومت وعدہ

کر کے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عطاء فرمائی ہو اس کے عطیہ الہی، نعمت الہی اور محبوب الہی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے.....؟

☆ اس کے علاوہ اس آیت مبارکہ میں اس خلافت کی دو نشانیاں بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس خلافت میں دین کو اللہ تعالیٰ جمادے گا اور خوب فروغ عطاء فرمائے گا۔ چنانچہ یہ نشانی بھی صرف اسی خلافت راشدہ میں نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اس دور میں دین کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ عرب و عجم میں انلام پھیل گیا۔ دو سپہاورد روم اور ایران مسلمانوں کے زیر نگیں آگئے۔ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج مسلمانوں کے پاؤں تلے تھے۔ ہر طرف اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ الغرض اس خلافت راشدہ کے دور میں اسلام کو جو عروج حاصل ہوا وہ کسی اور دور میں نہیں ہوا۔ اس لحاظ سے بھی جس خلافت کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے وہ خلافت راشدہ کے سوا اور کوئی خلافت نہیں۔ دوسری نشانی اس آیت میں یہ بیان فرمائی گئی کہ اس خلافت کے دور میں مسلمانوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ یہ نشانی بھی خلافت راشدہ میں بدرجہ اتم موجود تھی کہ مسلمانوں کو اپنی قوت اور فوقیت اور عظمت کے باعث تمام اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے خوف سے نجات مل گئی تھی۔ اور مسلمان ایک عظیم طاقت کی صورت میں دشمنوں سے بے خوف ہو کر حکمرانی کر رہے تھے۔

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا

ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

الغرض حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان کی وہ خلافت اور حکومت جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما کے مسلمانوں کو عطاء فرمائی ہو اور جس میں اسلام کو خوب عروج حاصل ہوا ہو۔ اور بے خوفی اور امن و سکون کا بول بالا ہو گیا ہو۔ ایسی حکومت کو ظلم و جبر اور غصب کی حکومت کہنا یہ صریح اس آیت کا انکار ہے۔ جب کہ حضرت

ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت کا انکار صرف قرآن ہی کا انکار نہیں بلکہ حدیث کا بھی انکار ہے۔ کیونکہ ان تینوں کی خلافت مشہور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں گفتگو کی۔ آپ نے اس سے فرمایا پھر آنا۔ اس نے عرض کیا کہ اگر آپ کو نہ پاؤں تو پھر کس کے پاس جاؤں۔ آپ نے فرمایا ابوبکر کے پاس چلی جانا (بخاری / مسلم / ترمذی / ابودود) اسی طرح ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ قبیلہ بنی مصطلق کے لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ آپ سے پوچھ کر آئیں کہ آپ کے بعد زکوٰۃ کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا ابوبکر کو۔ انہوں نے پھر بھجوا دیا کہ ابوبکر کے بعد کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا عمر کو۔ انہوں نے پھر پچھوایا کہ عمر کے بعد کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا عثمان کو (حاکم) گویا بالترتیب خلفائے راشدین کی آپ نے اپنی زندگی میں ہی نشاندہی فرمادی تھی۔ بہر حال خلفائے راشدین کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ لہذا اس کا انکار کرنا بہت سی آیات اور احادیث کا انکار کرنا ہے۔

آیت نمبر (۳۳)

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

جو لوگ مہاجرین و انصار کے بعد آئیں یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سابق تھے ان کو بھی بخش دے۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کوئی عداوت ان لوگوں کی جو ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار یقیناً تو نرمی فرمانے والا اور مہربان ہے (سورہ حشر پارہ ۲۸ آیت ۱۰)

فائدہ:۔۔۔ اس آیت مبارکہ سے پہلی آیات میں تفصیل کے ساتھ

مہاجرین و انصار، صحابہ کرام کا ذکر فرمایا گیا اور ان کے لیے کہا گیا کہ مہاجرین صحابہ ایسے اللہ تعالیٰ کے خالص اور نیک بندے تھے کہ انہوں نے اپنے رب کی رضا اور فضل حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا وہ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار تھے اور سچے لوگ تھے۔ اور انصار صحابہ کے لیے فرمایا کہ وہ مہاجرین سے بے لوث محبت کرتے تھے۔ وہ حرص و حسد سے پاک تھے۔ اور خود صاحب حاجت ہونے کے باوجود مہاجرین بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ وہ دین و دنیا میں کامیاب اور کامران ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن صحابہ کرام کی انکار رب ان کا خالق و مالک اتنی تعریفیں کر رہا ہے۔ اتنے اوصاف بیان فرما رہا ہے اور دین و دنیا میں ان کو کامیاب فرما کے ان کے بہترین انجام سے ہمیں باخبر کر رہا ہے۔ بھلا ایسے مقدس اور پاکیزہ صحابہ کو کافر یا فاسق و فاجر کیسے کہا جاسکتا ہے.....؟ اس آیت کے بعد اب ان کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ معاذ اللہ ہدایت پر نہیں رہے تھے۔ یا معاذ اللہ اسلام سے نکل گئے۔ ایسا عقیدہ رکھنا اس آیت کا صریح انکار ہے۔

☆ تیسرا گروہ اس آیت میں ان مسلمانوں کا بیان کیا گیا جو مہاجرین و انصار کے بعد آئیں گے۔ اور ان مہاجرین و انصار کے لیے استغفار یعنی دعائے خیر اللہ تعالیٰ سے کریں گے۔ اور ان کی طرف سے کوئی بغض و عداوت اپنے دلوں میں نہیں رکھیں گے۔ اس سے معلوم ہو کہ مہاجرین و انصار صحابہ کرام کی طرف سے دل میں بغض و عداوت رکھنا اور ان کے لیے بجائے دعائے خیر کے برے الفاظ زبان سے نکالنا یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں مسلمانوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ صحابہ کی طرف سے کوئی کینہ اپنے دل میں نہیں رکھیں گے۔ بلکہ ان کو ہمیشہ دعائے خیر سے یاد کریں گے۔۔۔۔۔۔۔۔ اہل بیت اطہار کا بھی یہی عقیدہ تھا چنانچہ حضرت امام زین العابدین کے پاس کچھ لوگ عراق سے آئے اور آپ کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی برائی کرنے لگے

تو آپ نے فرمایا تم نہ تو مہاجرین میں سے ہو نہ انصار ہی میں سے ہو۔ اب رہ گیا مسلمانوں کا تیسرا گروہ تو وہ وہ مسلمان ہیں جو ان دونوں کی اچھائی بیان کرتے ہیں۔ اور قرآن کی اس آیت کی رو سے ان کی عداوت اپنے دل میں نہیں رکھتے۔ تو ان کی برائی کر رہا ہے۔ لہذا تو مسلمانوں کے اس گروہ میں بھی شامل نہیں۔ گویا تو مسلمانوں کی تینوں قسموں سے نکل گیا۔ اور جب تو مسلمان نہیں رہا تو میرے پاس سے اٹھ جا۔ حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت ابو بکر کی برائی کرنے والوں کے لیے فرمایا کہ یہ لوگ دین سے خارج ہیں (کشف الغمہ مطبوعہ ایران ص ۱۹۹)

☆ تیسری بات اس آیت اور اس سے ما قبل آیات سے یہ ثابت ہوئی کہ ”مال فے“ یعنی وہ مال جو بغیر لڑائی اور فوج کشی کے دشمنوں سے حاصل کیا جائے وہ خاص کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ عام مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے۔ لہذا وہ بیت المال میں رکھا جائے گا اور مسلمانوں کا امیر اس کو حسب ضرورت جہاں چاہے گا استعمال کرے گا۔ لہذا فدک کا باغ جس کا مال فے میں سے ہونا مسلمہ امر ہے وہ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں نہیں تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں وراثت کا مسئلہ پیدا ہوتا۔ بلکہ وہ تو مسلمانوں کا عام حق تھا۔ جس کو بیت المال میں لیکر کسی کو بھی دیا جاسکتا تھا۔ لہذا اس مسئلہ پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

☆ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف فرما رہا ہے جو اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا لائق ثواب، اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور اچھا فعل ہے اور اس سے مردے کو فائدہ ہوتا ہے۔ ورنہ اگر ہماری دعائے مغفرت سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہو تو ایسے بے کار اور عبث کام کی اللہ تعالیٰ تعریف فرما کے ہمیں اس کی کیوں رغبت دلاتا ہے۔ تیجہ چالیسواں، دسواں، بیسواں

+

عرس، کونڈے اور شب براءت وغیرہ میں بھی ہم یہی کرتے ہیں کہ اپنے مردوں کی بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ یہ شرک و حرام نہیں بلکہ مستحسن اور اچھا فعل ہے۔ اور ہمارے مردوں کی غنوم مغفرت اور بلندی درجات کا سبب بنتا ہے۔ ہماری دعاؤں سے مردوں کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے اور ان کو اس کی کتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس حدیث مبارک سے لگتا ہے۔ کہ حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مردہ کی حالت قبر میں ایک ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی سی ہوتی ہے جو انتظار کرتا ہے کہ اس کے ماں باپ بہن بھائی اور دوستوں کی طرف سے اس کو کوئی دعا پہنچے۔ اور جب اس کو کوئی دعا پہنچی ہے تو وہ اس کو دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور پیاری ہوتی ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر و ثواب اور رحمت عطاء فرماتا ہے اور بیشک زندوں کا تحفہ مردوں کے لیے یہی ہے کہ ان کے لیے بخشش کی دعا کی جائے (مشکوٰۃ ص ۲۰۶)

ایک اور حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک شخص کو جنت میں جب اعلیٰ مرتبہ عطاء فرمائے گا تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب یہ میرا درجہ اتنا بلند کیسے ہو گیا۔ حالانکہ اتنی تو میں نے نیکیاں دنیا میں نہیں کی تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا بیٹا تیرے لیے دعائے بخشش کرتا تھا اس کی وجہ سے تیرا اتنا درجہ بلند ہو گیا ہے (مشکوٰۃ ص ۲۵۶) اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے درود و استغفار کا مردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ اگر وہ گنہگار ہوں تو ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر وہ ولی و بزرگ ہوں تو ان کے درجے بلند ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ملا علی قاری رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ زندوں کے عمل سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) حنیفوں کی بڑی معتبر عقائد کی کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ زندوں کا مردوں کے لیے دعا کرنا صدقہ و خیرات کرنا

مردوں کے لیے نفع کے باعث ہوتا ہے۔ لہذا فاتحہ وغیرہ کے موقعہ پر دعائے بخشش کے ساتھ ساتھ جو کھانے کا ثواب ان کو پہنچایا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ ثواب بھی ان کو پہنچتا ہے اور ان کو نفع اور قبر و حشر کی مشکلات سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔

آیت نمبر (۳۳)

إِنَّمَا يَرِيذُ اللَّهُ لِيَتَّخِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○

اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں پوری طرح مکمل پاک صاف کر دے (سورہ احزاب پارہ ۲۱، آیت ۳۳)

فائدہ:--- اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

و سلم کے اہل بیت کی عظمت اور ان کے مقام کو بیان فرما رہا ہے کہ ہم ان سے ہر ناپاکی کو دور کر کے ان کو مکمل صاف ستھرا کرنا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں جو اہل بیت کا لفظ آیا ہے اس سے کیا مراد ہے.....؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل بیت کا لفظی ترجمہ اردو میں ”اہل خانہ“ یعنی گھر والوں کا ہوتا ہے۔ اور وہ ظاہر ہے بیوی ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بھی اہل بیت سے اصل مراد تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ازواج مطہرات ہیں۔ اور یہ آیت کے سیاق و سباق کو دیکھیں تو اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے قبل اور بعد حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ازواج مطہرات کا ذکر چل رہا ہے۔ لہذا اس ذکر کے درمیان میں یہ آیت ہے۔ جس میں اہل بیت کا لفظ آیا ہے تو ظاہر ہے یقیناً اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی پاک بیویاں ہی مراد ہونگی۔ اس کے علاوہ قرآن میں دوسرے مقام پر بھی اہل بیت کا لفظ بیوی کے لیے بولا گیا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ کے لیے آتا ہے۔ کہ فرشتوں نے ان سے کہا..... وَحَمَّتِ اللّٰهُو بِرِکَاتِنَا عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ..... خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر اللہ

تعالیٰ نے قرآن میں اسی لفظ سے فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے..... **وَإِذْ غَدَوْتَ**
بِنِ اٰهْلِکَ تَبَوُّءَ الْمُؤْمِنِیْنَ..... (سورہ آل عمران ر ۱۲۱) بہر حال ثابت ہوا کہ اہل
بیت سے دراصل مراد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات ہیں اور ان
کی عظمت اور شان کو اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔ لیکن فضیلت اور عظمت میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؑ پیارے نواسے حضرت امام
حسن اور حضرت امام حسین اور اپنے پیارے داماد حضرت علی کو بھی شامل فرمایا۔
چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ حضرت فاطمہ
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو اپنی کملی میں داخل کر کے فرمایا اے اللہ یہ
میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے بھی ناپاکی کو دور کر دے۔ اور ان کو خوب پاک
کردے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا
یا رسول اللہ مجھ کو بھی شامل فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا..... **اَنْتِ عَلٰی خَيْرٍ وَّاَنْتِ**
عَلٰی تَسْکَانِکِ..... تم تو اس سے بہتر حالت میں ہو اور اپنے مرتبہ پر ہو (ترمذی)
یعنی یہ آیت تمہارے لیے ہی تو نازل ہوئی ہے۔ تم تو پہلے سے ہی اس میں داخل ہو
اب میں ان چاروں کے لیے دعا کر کے ان کو بھی اس میں شامل کر رہا ہوں۔ لہذا اب
اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے گھر والے یعنی تمام ازواج
مطہرات حضرت علی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کی فضیلت ثابت
ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ
سب گھر والے ہر قسم کی اعتقادی عملی اخلاقی ظاہری باطنی روحانی جسمانی ہر قسم کی
ناپاکی اور گندگی سے بالکل پاک ہیں۔ ان کے پاس سے بھی کسی گناہ برائی اور کسی بری
بات کا کبھی گزر نہیں ہوا۔ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زوجہ محترمہ
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر طرح طرح کے الزامات
لگاتے ہیں (معاذ اللہ) بعض لوگ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین اور گستاخی

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے اقتدار کی ہوس میں کربلا کا رخ کیا (معاذ اللہ) وہ حق پر نہیں تھے (معاذ اللہ) الغرض جو بھی اہل بیت میں سے کسی کی بھی برائی کرتا ہے وہ درحقیقت اس آیت کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ خدا یہ فرمائے کہ ان میں کوئی برائی نہیں، یہ ہرگناہ سے ہر برائی سے اور رذیل عادت و اخلاق سے بالکل پاک تھے۔ اور چودھویں صدی میں کوئی ان میں برائی نکالے تو وہ سچا نہیں بلکہ ساری کائنات کا رب سچا ہے۔ اس کا قرآن سچا ہے۔ اہل بیت اطہار میں عیب نکالنے والے ان کی توہین کرنے والے جھوٹے ہیں اور قرآن کے منکر ہیں۔ جنہی ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس کسی نے بھی میرے اہل بیت سے بغض اور عداوت رکھی اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم میں داخل کیا (متدرک ۱۵۰/۳ - زر قانی ۷/۲۰)

ایک اور مشہور حدیث ہے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے۔ جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا۔ اہل بیت کرام کے دامن سے وابستہ رہنے کا خود سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ فرمایا اے لوگو بیشک میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک وہ کتاب اللہ اور میری عترت یعنی اہل بیت ہے (ترمذی باب الما قب) بہر حال ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار کی محبت ان کا ادب و احترام دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ اور ان کی عداوت دین و دنیا میں رسوائی کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بے ادبی اور گستاخی اور عناد سے ہمیں بچائے۔

آیت نمبر (۳۵)

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

اے ہمارے پروردگار مجھ کو اور میرے والدین کو اور مومنین کو بخش دے جس دن حساب قائم ہو (سورہ ابراہیم ۱۴/۴۱)

فائدہ:--- اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل کی ہے۔ ہمیں بھی اس طرح دعائے مانگنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اپنے مرحوم والدین کے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی۔ مسلمانوں میں زندہ اور فوت شدہ تمام مسلمان آگئے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ** کہ دعا عبادت ہے (ابوداؤد) تو معلوم ہوا کہ اس عبادت کا مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے ورنہ اگر اس عبادت کا فائدہ نہ پہنچتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل کو نقل فرما کے ہمیں اس کی کیوں ترغیب دیتا.....؟ جب کہ احادیث سے بھی ثابت ہے کہ دعا جیسی عبادت کا مردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس میت پر چالیس ایسے آدمی نماز پڑھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اور سفارش میت کے حق میں ضرور قبول فرمالتا ہے (مسلم جلد اول ص ۳۰۹) یعنی ان کی دعائے مغفرت سے میت کی بخشش فرمادیتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہماری اس دعا اور نماز جنازہ جیسی عبادت کا ہمارے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور صرف یہ عبادت یعنی دعا اور نماز ہی کا مردہ کو فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ہماری دیگر عبادات کا بھی ان کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور اسکا بھی ان کو فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ قبیلہ جہنہ کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی۔ لیکن وہ بغیر حج کیے مر گئی۔ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں.....؟ آپ نے فرمایا ہاں تو اس کی طرف سے حج کر لے (بخاری) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نذر ماننے کے باعث یہ حج اس پر

واجب ہو گیا تھا۔ اس کی طرف سے اس کے زندہ وارث نے اداء کیا تو اس کی مرحوم والدہ کی طرف سے وہ اداء ہو گیا۔ اور اس کو اس کے حج کا ثواب مل گیا۔ معلوم ہوا کہ زندوں کی اپنی عبادت کا ثواب اپنے مردوں کو بھیجا جائے تو اس کا ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ مرتبہ ”قل ہو اللہ“ پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی تعداد کے برابر پڑھنے والے کو بھی اجر و ثواب عطاء فرماتا ہے (دارقطنی / در مختار باب الدفن / شرح الصدور للسیوطی ص ۱۳۰) یہ حدیث علامہ سیوطی نے لکھی ہے جن کے متعلق مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی کو بائیس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر تصحیح کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھیں (فیض الباری شرح بخاری جلد اول ص ۲۰۳) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر کئی مرتبہ سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھا اور فرمایا کہ اس نیک بندہ پر قبر تنگ ہو گئی تھی لیکن میرے یہ پڑھنے سے اس کی قبر کشادہ ہو گئی (مشکوٰۃ ص ۲۶)

تیجہ چالیسواں عرس گیارہویں الغرض مردوں کو جو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور فاتحہ دی جاتی ہے۔ تو اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ قرآن پڑھ کر اور کلمہ شریف وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب ان کو پہنچایا جاتا ہے۔ ان مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہو گیا کہ ہمارا یہ فعل قرآن و سنت کے مطابق ہے اور اس سے مردوں کو نفع ہوتا ہے۔ اور ان کی قبر کی مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوں تو ان کے درجات بلند ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ فاتحہ اور ایصال ثواب کے موقع پر کھانا پھل فروٹ وغیرہ بھی رکھے جاتے ہیں۔ آیا اس کا

ثواب بھی مردوں کو پہنچتا ہے یا نہیں.....؟ آئیے ذرا حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئی ہے اگر میں اس کی طرف سے کوئی صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب اس کو ملے گا.....؟ آپ نے فرمایا ہاں، یعنی اس صدقہ کا ثواب تیری مرحومہ ماں کو مل جائے گا (بخاری جلد اول ص ۱۸۶ / مسلم جلد اول ص ۳۲۳ / موطا امام مالک / ابوداؤد) اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے ان کے لیے کونسا صدقہ افضل ہے.....؟ آپ نے فرمایا ”پانی“ کا۔ حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا..... **هَذَا لَمْ تَتَّعَدَ**..... کہ یہ کنواں اور اس کا پانی سعد کی ماں کے لیے ہے (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ۱/۲۳۶) ان احادیث سے ثابت ہوا جب پانی پور ہر قسم کے کھانے پھل فروٹ رقم وغیرہ الغرض تمام صدقات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس کھانے پر اگر مردہ کا نام لے دیا جائے تو وہ فاتحہ کا کھانا حرام نہیں ہو جاتا۔ جیسے حضرت سعد نے اس کنویں پر اپنی ماں کا ذکر کر کے کہا کہ یہ میری ماں کے لیے ہے اور وہ پانی حرام نہیں ہوا بلکہ سارے مدینہ کے لوگوں نے اس سے پانی پیا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجانہ ہو گا کہ اس کھانے پر جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبیوں ولیوں کا نام لے دیا جاتا ہے اور ان کا ذکر کر دیا جاتا ہے تو وہ کھانا اور برکت والا اور رحمتوں والا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے..... **عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ**..... کہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے (صفہ الصفویہ ابن جوزی) لہذا جس ولی کی فاتحہ ہے اس کا جب نام لیا جائے گا کہ مثلاً یہ کہا جائے گا کہ اس کا ثواب حضرت غوث پاک کو پہنچے، خواجہ نقشبند کو پہنچے، خواجہ معین الدین چشتی کو پہنچے، امام حسین کو پہنچے وغیرہ وغیرہ تو ان کے ناموں کی برکت سے رحمتوں کا نزول ہو گا اور وہ

کھانا بھی رحمتوں والا اور برکتوں والا ہو جائے گا۔ بہر حال ثابت ہوا کہ بارہویں، گیارہویں، کونڈے، شبِ برات کے حلویے، تیجے، چالیسواں، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی و عرس وغیرہ یہ جائز ہیں اور مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں جو قرآن پاک، کلمہ، درود وغیرہ جو ان میں پڑھا جاتا ہے اور کھانا وغیرہ کھلا کر مردے کو اس کا ثواب پہنچایا جاتا ہے وہ برحق ہے اور اس پڑھنے کا اور کھانے کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے اور اس کی مغفرت اور بلندی درجات اور فرحت و مسرت کا موجب بنتا ہے۔۔۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم اپنے مردوں کے لیے جو دعائیں کرتے ہیں ان کی طرف سے جو صدقات و خیرات اور حج وغیرہ کرتے ہیں کیا وہ ان کو پہنچتی ہیں.....؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک یہ چیزیں مردوں کو پہنچتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں جیسے تم ایک دوسرے کے ہدیہ اور تحفوں سے خوش ہوتے ہو (مسند احمد)

جناب محمد قاسم نانوتوی (بانی مدرسہ دیوبند) نے تحذیر الناس میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مرید پریشان بیٹھا تھا اور غم و اندوہ سے اس کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ حضرت جنید نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں نے کشف سے دیکھا ہے کہ میری ماں دوزخ میں ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں میں نے سوچا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے اتنی مرتبہ کلمہ پڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ یہ سوچ کر میں نے اس کا ثواب اس کی والدہ کو اسی وقت پہنچا دیا۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس میرے مرید کا چہرہ خوشی سے دکھنے لگا۔ آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اب میں اس کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسے جو مغفرت کی بشارت دی گئی

ہے وہ بھی بالکل درست اور برحق ہے (تخذیر الناس) اس سے معلوم ہوا کہ مردے کو ایک لاکھ پانچ ہزار کلمہ کا ثواب بخش دیا جائے تو اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ اس لیے تیجہ کے موقع پر مسلمانوں میں چنوں پر کلمہ پڑھنا رائج ہے تاکہ اس سے مردے کی بخشش کا سامان ہو جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غوث پاک کی نیاز و امام حسین کی سبیل وغیرہ وغیرہ کیونکہ ان فاتحہ کے کھانوں پر غیر اللہ کا نام آگیا اس لیے یہ کھانا حرام ہو گیا۔ کیونکہ قرآن میں ہے مَا أَهْلٌ بِغَيْرِ اللَّهِ..... اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں جو آیت مبارکہ آئی ہے ”وَمَا أَهْلٌ بِغَيْرِ اللَّهِ“ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور اللہ اکبر کے بجائے غیر اللہ کے نام پر اس کو ذبح کیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ محض کسی چیز پر غیر اللہ کے نام آنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف وہ جانور حرام ہوتا ہے جس کو ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اس آیت کے یہ معنی کرنا کہ جس چیز پر غیر اللہ کا نام آگیا وہ حرام ہو گئی۔ یہ معنی عقل و نقل کے بالکل خلاف ہیں۔ اس لیے کہ ابھی حدیث گزری کہ حضرت سعد نے کنویں پر اپنی ماں کا نام لیا لیکن وہ حرام نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب روزوں سے زیادہ محبوب روزہ اللہ کو صیام داؤد یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ یہاں روزہ پر حضرت داؤد علیہ السلام کا نام آیا لیکن روزہ حرام نہیں ہوا۔ قرآن کی سورتوں کے اکثر نام غیر اللہ پر ہیں۔ مثلاً بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام وغیرہ لیکن غیر اللہ کے نام آنے سے سورتیں معاذ اللہ حرام نہیں ہو جاتیں۔ مساجد پر غیر اللہ کا نام آتا ہے کہ مسجد نبوی، مسجد قبا، مسجد ابو بکر وغیرہ لیکن یہ مسجدیں حرام نہیں ہوتیں۔ عام طور پر چیزوں پر غیر اللہ کا نام آتا ہے کہ یہ زید کا مکان ہے، خالد کی دکان، بکر کا کھانا، انور کا بکرا، اختر کی روٹی، شیخ القرآن کی بیوی، مفکر اسلام کی زوجہ محترمہ لیکن ان میں سے کوئی سے

بھی چیز حرام نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ جس پر غیر اللہ کا نام آجائے وہ حرام ہو جاتی ہے۔ اور نہ ہی یہ آیت کا مفہوم ہے۔ لہذا فاتحہ کے وقت جس کے لیے فاتحہ دی جا رہی ہے اس کا نام آجائے تو اس سے کھانا حرام نہیں ہو جاتا۔

آیت نمبر (۳۶)

وَقَالَ رَبِّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ بیشک وہ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے (سورہ مومن پارہ ۲۴، آیت ۶۰)

فائدہ:۔۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو اپنے رب سے دعا مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اس سے دعا مانگو وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ لیکن اس آیت میں کوئی قید نہیں لگائی کہ فلاں وقت مانگو۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس وقت بھی بندہ اپنے رب سے دعا مانگے گا، خواہ آذان کے بعد مانگے خواہ نماز کے بعد عام پنجگانہ نمازوں کے بعد مانگے یا نماز جنازہ کے بعد مانگے۔ الغرض جب بھی وہ دعا مانگے گا قرآن کی اس آیت پر عمل کر کے خدا کا قرب حاصل کر رہا ہوگا۔ بعض لوگ پنجگانہ نمازوں کے بعد اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو برا کہتے ہیں اور اس سے روکتے ہیں۔ حالانکہ نمازوں کے بعد دعا کرنے والا کوئی غلط کام نہیں کر رہا بلکہ قرآن کی اس آیت پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا مستحق بن رہا ہے۔ جب کہ احادیث میں واضح طور پر اس کا ثبوت موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا ایک تو آخر رات کے درمیانی حصہ میں جو دعا کی جائے وہ زیادہ قبول ہوتی ہے اور دوسری فرض

نمازوں کے بعد جو دعا کی جائے وہ زیادہ قبول ہوتی ہے (سنن ابوداؤد/ سنن نسائی/ مسند احمد/ بیہقی/ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا مسنون ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ اس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ جب کہ حصن حصین میں اس حدیث کو ترمذی اور حاکم کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس میں بَسَطَ الْيَمِينِ کے الفاظ کا اضافہ بھی ہے جبکہ وَرَفَعَهُمَا کے الفاظ صحاح ستہ کے حوالہ سے مذکور ہیں۔ جس کے معنی ہیں ہاتھ پھیلا نا اور بلند کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے۔ بہر حال نماز پنجگانہ کے بعد دعا کرنا بدعت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

☆ اسی طرح اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نماز جنازہ کے بعد بھی دعا کرنا درست ہے۔ کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دعا کے لیے کوئی قید نہیں لگائی۔ لہذا جو نماز جنازہ کے بعد دعا کرے گا وہ بھی قرآن پر عمل کر رہا ہے۔ بلکہ مندرجہ بالا حدیث میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ جب کہ نماز جنازہ بھی فرض ہے لہذا اس حدیث کی رو سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنی چاہیے کہ اس وقت بھی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ جب کہ ایک اور حدیث مبارک میں سرکار کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو اس کے لیے خالص دعا مانگو (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ) اس حدیث میں واضح طور سے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسی مشکوٰۃ شریف میں ایک اور حدیث مبارک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔ اس کی تشریح اور تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی

جیسا کہ آجکل رواج ہے (اشعہ اللمعات) اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر دعا کرنا اس زمانہ میں بھی رائج تھا اور شیخ محقق نے اس کو منع نہیں فرمایا۔ کیونکہ ان کی نظر میں یہ حدیث سے ثابت تھا۔ بیہقی شریف میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھنے کے بعد اس کے لیے دعا کی۔ فتح القدر میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا تم بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ اس حدیث میں ”واؤ“ آیا جو مغفرت کو چاہتا ہے۔ معلوم ہوا جس دعا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا یہ نماز جنازہ کی دعا کے علاوہ اس کے بعد والی دعا تھی۔ بہر حال ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا قرآن اور احادیث سے ثابت ہے اور یہ بدعت نہیں بلکہ مسنون ہے۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر دعا عبادت ہے
 اَلْتَّعَاةُ هِيَ الْعِبَادَةُ جو لوگ دعا کرنے کو برا سمجھتے ہیں اور بطور تکبر اس سے لوگوں کو روکتے ہیں اور منع کرتے ہیں ان کا انجام اسی آیت میں بیان کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ لہذا اس وعید سے ڈرنا چاہیے۔ دعا خواہ فرض نمازوں کے بعد مانگی جائے یا نمازہ جنازہ اور نماز جمعہ یا نماز عیدین کے بعد ہر حال میں کسی دعا سے روکنا نہیں چاہیے۔ اور نہ اس کو برا کہنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وعید میں آکر دنیا و آخرت میں تباہ و برباد ہو جائیں۔

آیت نمبر (۳۷)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللّٰهِ

بیشک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (روایت صحیح)

فائدہ:۔۔۔ صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ایک ولیہ

حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوڑی تھیں۔ ان کے قدم ان پہاڑیوں کو لگ گئے تو یہ پہاڑیاں متبرک ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کو اپنی نشانی فرمادیا اور دوسری آیت میں اپنی نشانیوں کی تعظیم کی اہمیت اور افادیت بیان کرتے ہوئے فرمایا..... **وَمَنْ يَعْتِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ لَأَنهَابُ تَقْوَى الْقُلُوبِ.....** کہ ہماری نشانیوں کی تعظیم کرنا دلوں کے تقوے کی علامت ہے۔ ان آیات نے ہمیں سبق دیا کہ جب کسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے قدم لگ جائیں تو وہ جگہ شعائر اللہ میں سے بن کر لائق تعظیم ہو جاتی ہے تو پھر جن قبروں میں اللہ کے ولی خود آرام فرما ہوں ان کا پورا جسم انور قیامت تک کے لیے موجود ہو وہ قبریں اور مزارات کیوں نہ شعائر اللہ ہوں گے.....؟ اور ان کی تعظیم کیوں نہ ضروری ہوگی۔ اس لیے تفسیر روح البیان میں..... **وَمَنْ يَعْتِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ.....** کے تحت لکھا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی قبریں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور شعائر اللہ میں سے ہیں۔ لہذا ان کی تعظیم اور احترام ضروری ہے۔

اب تعظیم مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے۔ اس مزار پر چادر ڈالنا یہ بھی اس کی تعظیم ہے۔ اس پر پھول ڈالنا، وہاں آنے جانے والوں کی آسانی کے لیے بجلی کا اہتمام کرنا، وہاں زائرین کی سہولت کے لیے اس مزار پر کوئی عمارت گنبد وغیرہ بنا دینا۔ یہ سب تعظیم میں شامل ہیں اور چونکہ شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم قرآن دیتا ہے۔ لہذا ان شعائر اللہ یعنی قبروں کی تعظیم کی خاطر ان پر گنبد وغیرہ بنانا، ان مزارات پر پھول اور چادریں وغیرہ ڈال کر ان کی عظمت اور احترام کو آشکارا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہوگا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق دلوں کے تقوے کی علامت ہوگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مزارات پر گنبد وغیرہ یا کوئی عمارت بنانا یا مزار کو پکا بنانا جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک پکا بنا ہوا ہے اور اس پر سبز گنبد اور پوری عمارت شروع سے آج تک موجود ہے۔ اس

کے علاوہ مختلف ملکوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں صحابہ تابعین تبع تابعین ائمہ مجتہدین اور صالحین کے مزارات پر گنبد وغیرہ بنے ہوئے ہیں اور چادریں پڑی ہوئی ہیں۔ اگر یہ حرام اور ناجائز ہوتے تو ان کو کبھی کا ختم کر دیا گیا ہوتا۔ لیکن ہر دور میں ان کا اسی طرح موجود رہنا دلیل ہے کہ یہ جائز ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی زوجہ محترمہ نے ایک سال تک ان کے مزار پر قبہ بنائے رکھا۔ اس وقت موجود تمام صحابہ اور تابعین نے دیکھا لیکن کسی نے منع نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ مزار پر قبہ اور گنبد وغیرہ بنانا حرام نہیں (بخاری کتاب الجنائز: مشکوٰۃ باب البكاء علی المیت) اسی لیے احناف کے بڑے بڑے ائمہ مثلاً علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صاحب طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے مزارات اولیاء پر ان کی عظمت کے اظہار کے لیے قبے اور گنبد وغیرہ بنانے کو جائز لکھا ہے (روح البیان / مرقاۃ / اشعۃ اللمعات / طحطاوی ص ۳۳۵)

☆ جن احادیث میں قبر کو پکا کرنے اور اس پر عمارت اور گنبد وغیرہ بنانے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد یا تو عام مسلمانوں کی قبریں ہیں کہ ان کے لیے اتنے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ شعائر اللہ میں سے نہیں لہذا ان کی تعظیم ان کے گنبد وغیرہ بنا کے ان کی تعظیم و احترام ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا قبر کے بالکل اوپر دیوار وغیرہ بنانے کی ممانعت مراد ہوگی نہ کہ قبر کے ارد گرد عمارت کی ممانعت ہوگی۔ کیونکہ اگر اس سے قبر کے ارد گرد عمارت اور گنبد بنانے کی ممانعت مراد ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی ممانعت کرتے ہوئے قبے اور گنبد بناتے۔ جب کہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زینب بنت جحش کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت علی کے پوتے حضرت

محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر قبہ بنایا (منتقا شرح موطا / بدائع الصنائع جلد اول ص ۳۲۰ / یعنی شرح بخاری) لہذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی قبروں کے ارد گرد قبہ بنانا جائز ہے اور صحابہ کی سنت ہے۔

☆ اسی طرح غلاف اور چادر ڈالنا کیونکہ اس سے اس ولی کے مزار کی تعظیم کا اظہار مقصود ہے۔ لہذا یہ بھی جائز ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک خانہ کعبہ کو غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ اس کی تعظیم کی خاطر۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر سبز غلاف ہمیشہ سے چڑھایا جاتا رہا ہے۔ اور آج تک چڑھا ہوا ہے۔ مصر وغیرہ میں بہت سے صحابہ اور اولیاء کے مزارات پر غلاف اور چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ لیکن آج تک کسی نے منع نہیں کیا۔ اسی لیے فقہ حنفی کی معتبر کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اولیاء کی تعظیم کی نیت سے ایسا کرنا جائز ہے (شامی جلد ۵ کتاب الکراہت باب اللباس)

☆ البتہ جن احادیث میں مٹی اور پتھروں کو کپڑے پہنانے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد عام گھروں میں بغیر کسی ضرورت کے پردے لٹکانا مراد ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیوار پر پردے ڈالے تھے تو اس کے متعلق سرکار نے فرمایا تھا کہ رب نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم مٹی اور پتھروں کو کپڑے پہنائیں۔ اس کا قبروں کے غلاف اور چادروں سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح جن احادیث میں قبروں پر چراغ جلانے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد بے فائدہ اور بلا ضرورت چراغ جلانا ہے۔ کہ یہ مال کا ضائع کرنا اور اسراف ہے۔ اس لیے ناجائز ہے۔ لیکن اگر کسی ضرورت کے لیے ہو یعنی اولیاء کی عظمت کو آشکارا کرنے کے لیے تو پھر چراغ اور بلب وغیرہ جلانا جائز ہے۔

آیت نمبر (۳۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ○

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو صاحب امر ہوں ان کی بھی اطاعت کرو۔

فَاكْفُرُوا... اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے محبوب کی اطاعت کے علاوہ "اُولَئِيْكَ اَنْتُمْ" یعنی صاحب امر لوگوں کی اطاعت اور ان کی تقلید کا حکم دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ صاحب امر سے کون لوگ مراد ہیں.....؟ تو اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس حضرت جابر بن عبد اللہ حضرت عطاء بن ابی رباح جیسے صحابہ اور تابعین فرماتے ہیں اس سے "اہل علم اور اہل فقہ" مراد ہیں۔ جب کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مسلمان حکام اور امراء مراد ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں۔ لہذا دونوں معنی یہاں مراد ہیں اور آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان حکمرانوں کی بھی اطاعت کرو اور علماء اور اہل فقہ کی بھی اطاعت اور تقلید کرو (متدرک، حاکم ج ۱ ص ۱۲۳، دارمی ص ۳۰ / احکام القرآن ۲ ص ۲۱۰ / تفسیر روح المعانی ۵ ص ۶۵ / تفسیر ابن کثیر ۲ ص ۴۹۷)

لہذا حنفی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی اطاعت اور تقلید کرے ہیں جب کہ شوافع حضرت امام شافعی کی حنبلی حضرت امام احمد بن حنبل کی مالکی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی فقہی مسائل میں جو اطاعت اور تقلید کرتے ہیں وہ شرک و بدعت نہیں۔ بلکہ اس آیت پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل علم اہل فقہ کی طرف رجوع کرنے اور ان سے مسئلے پوچھنے اور ان کے پیچھے چلنے اور ان کا اتباع اور تقلید کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے..... فَاَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تو تم اہل علم سے پوچھ لو اگر خود نہیں جانتے (سورہ نحل پارہ ۱۳) اور جب پوچھو تو ایک مقام پر فرمایا کہ پھر ان کا اتباع کرو..... وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَى

..... جو لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں ان کے راستے کی اتباع کرو (سورہ لقمان پارہ ۲۱) ظاہر ہے کہ یہ چاروں ائمہ زبردست اہل علم اور اہل عرفان میں سے تھے۔ نہ صرف یہ کہ ظاہری عالم تھے بلکہ عارف کامل اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے عابد و زاہد بھی تھے۔ لہذا ان آیات کی رو سے ان سے مسائل میں رجوع کرنا اور پھر انکا اتباع کرنا یہ قرآن کے ارشاد کے مطابق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے صحابہ کرام کی سنت کو مضبوط پکڑنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا (ترمذی ۲ ص ۹۲ / ابن ماجہ ص ۵ / ابوداؤد ۲ ص ۲۷۹) اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کا اتباع اور تقلید حرام اور ناجائز ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی تقلید کرنے کا کیوں حکم دیتے۔ عقل بھی کہتی ہے کہ دنیا میں کوئی کام بغیر تقلید اور اتباع کے نہیں ہوتا۔ آدمی علم سیکھتا ہے کسی استاذ کا اتباع کر کے۔ کوئی ہنر سیکھتا ہے کسی ہنرمند کا اتباع اور پیروی کر کے۔ نماز پڑھتے ہیں کسی امام کی اتباع میں اور قیام رکوع و سجود میں اس کی تقلید کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت میں رعایا اپنے حکمرانوں کے افعال کی تقلید کرتی ہے۔ سارا نظام ہی تقلید سے چل رہا ہے۔ اگر یہ حرام اور ناجائز ہو تو پھر تو ان میں سے کوئی کام جائز نہیں رہے گا سب حرام ہو جائیں گے۔ بعض قرآنی آیات ایسی ہیں جن میں تقلید اور اتباع کی ممانعت اور برائی بیان کی گئی مثلاً فرمایا..... وَلَا تَطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا..... اور ان کی اطاعت نہ کرو جن کا قلب ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (سورہ کہف آیت ۲۸)..... وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ..... اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور راستوں پر نہ چلو کہ تم کو اس کی راہ سے جدا کر دے گی (سورہ انعام ص ۱۵۳) اس قسم کی تمام آیات میں خلاف شرع تقلید اور خلاف اسلام راستے مراد ہیں کہ ایسے راستوں پر چلنا اور ایسے لوگوں کی اطاعت اور تقلید حرام ہے۔ جب کہ اہل علم فقہاء اور محدثین و مجتہدین کی تقلید کا جائز ہونا بلکہ

ان کے اتباع کا حکم اوپر ذکر کی گئی بہت سی آیات سے ثابت ہو چکا ہے۔
 بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ اصول عقائد مثلاً توحید و رسالت آخرت وغیرہ پر
 ایمان اسی طرح صریح احکام مثلاً نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ جن کا ثبوت قرآن و حدیث
 سے صراحتاً ثابت ہے اس میں تو ہم کسی کے مقلد نہیں۔ البتہ وہ مسائل جو صریح
 نہیں ہیں بلکہ قرآن و حدیث سے استنباط اور اجتہاد کر کے نکالے جاتے ہیں۔ اس میں
 ہم پر کسی نہ کسی امام کی تقلید کرنا واجب ہے۔ چاروں امام امام ابو حنیفہ امام شافعی
 امام احمد بن حنبل امام مالک یہ سب برحق ہیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں
 سے جس کی بھی ان اجتہادی مسائل میں اتباع اور تقلید کر لی تو وہ بری ہو گیا۔ اور
 قرآن کے حکم پر عمل پیرا ہونے والا کہلائے گا۔ اور خدا کے یہاں اس کی کوئی پکڑ
 نہیں ہوگی۔

آیت نمبر (۳۹)

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۹﴾ (الأنفال ۸-۷۲)
 اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا
 جائے۔

فائدہ:۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں قرآن کی تلاوت کے وقت خاموش
 رہنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ
 بن عباس جیسے جلیل القدر مفسر صحابہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فرض نمازوں کے بارے
 میں نازل ہوئی ہے کہ امام کے پیچھے جب فرض نمازیں پڑھو تو اس کے پیچھے کچھ نہ پڑھو
 بلکہ خاموش کھڑے رہو (تفسیر ابن جریر ۹/۱۰۳ / تفسیر ابن کثیر ۲/۲۸) بلکہ حضرت
 ابن مسعود اور مقداد بن اسود تو ان لوگوں کو ڈانٹا کرتے تھے جو امام کے پیچھے سورہ
 فاتحہ وغیرہ پڑھتے تھے (تفسیر مظہری ۳/۵۰۷ / تفسیر ابن کثیر ۶/۱۰۳) حضرت امام احمد

بن حنبل تو فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ یہ آیت نمازوں کے متعلق ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب امام زور سے قرائت کر رہا ہو تو اس وقت مقتدی پر قرائت کرنا اور کچھ پڑھنا واجب نہیں (فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲/۱۶۸) بہر حال اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ فرض نماز میں جب جماعت سے پڑھی جائیں تو اس وقت امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا کسی بھی صورت کی تلاوت نہیں کرنی چاہیے بلکہ خاموش کھڑا رہنا چاہیے۔

احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرائت مقتدی کی بھی قرائت شمار ہوگی اس کو علیحدہ قرائت کرنے کی ضرورت نہیں۔ (ابن ماجہ ص ۶۱) بلکہ ایک دفعہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کے فارغ ہوئے تو آپ نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے پیچھے قرائت کر کے مجھ پر قرآن خلط ملط کر دیا (طحاوی ص ۱۰۶) دوسری روایات میں آتا ہے کہ اس کے بعد سے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں میں قرائت کرنے سے رک گئے۔ پھر انہوں نے قرائت نہیں کی (موطا امام مالک ص ۲۹ / نسائی ص ۱۰۶ / ابوداؤد جلد ایک ص ۱۲۱ / ترمذی ص ۴۲ / ابن ماجہ ص ۶۱) حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابت سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کسی بھی نماز میں (یعنی خواہ جہری ہو یا سری) کوئی قرائت نہیں کی جاسکتی (مسلم جلد اول ص ۲۱۵ / نسائی جلد اول ص ۱۱۱ / طحطاوی ص ۱۰۸ / مصنف عبدالرزاق ۲ ص ۱۳۸) حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں انگارے بھرے جائیں (موطا امام محمد ص ۹۸ / مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶) حضرت عبداللہ بن عمر حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ کسی نماز میں بھی (خواہ وہ جہری ہو یا سری) امام کے پیچھے قرائت نہیں کرنی

چاہیے (طحاوی ص ۱۰۷) اسی لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن انس امام کے پیچھے سری اور جہری کسی نماز میں بھی قرائت نہیں کرتے تھے۔ لہذا ہمارا مسلک یہی ہے کہ کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا کوئی صورت نہیں پڑھنی چاہیے (کتاب الآثار لامام محمد ص ۱۶۳)

☆ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی یہ اس شخص کے لیے ہے جو اکیلے نماز پڑھ رہا ہو۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کی تفصیل بیان فرمائی (موطا امام مالک ص ۲۹ / طحاوی ص ۱۲۹ / موطا امام محمد ص ۳۲) یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے مقتدی کے لیے نہیں۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادھر تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری اور فرض قرار دیں اور دوسری حدیث میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے پر ناراضگی کا اظہار فرمائیں اور فرمائیں کہ تم نے مجھ پر قرآن خلط ملط کر دیا۔ اگر یہ فرض ہوتا تو اتنے سارے جلیل القدر صحابی اس کو کیسے چھوڑتے اور اس کے پڑھنے والے کے لیے منہم میں پتھر اور انگارے بھرنے جیسے الفاظ کیسے استعمال کرتے۔ معلوم ہوا کہ جس حدیث میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے وہ منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے ہے اور جس میں منع کیا گیا ہے وہ جماعت سے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی کے لیے ممانعت ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک روز جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے تو حضرت ابو بکر رکوع میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا (سنن کبیرین جلد اول ص ۹۰) حالانکہ اگر سورہ

فاتحہ پڑھنا مقتدی کو فرض اور ضروری ہوتا تو حضرت ابو بکر نے بھی سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تھی۔ بغیر پڑھے رکوع میں مل گئے۔ ان کی نماز نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں۔

آیت نمبر (۴۰)

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَصِرِينَ ۝

اور دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑا کر اور خفیہ (آہستہ خاموشی سے) بیشک اللہ تعالیٰ سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا (سورہ اعراف پارہ ۸، آیت ۵۵)

فائدہ:۔۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا آہستہ خفیہ یعنی خاموشی سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور زیادہ بلند آواز سے دعا کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ جب کہ آمین کہنا یہ بھی ایک دعا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں (اے اللہ قبول فرما) جب کہ حضرت عطاء بھی فرماتے ہیں کہ آمین ایک دعا ہے (صحیح بخاری ص ۱۰۷) لہذا اس آیت کی رو سے ثابت ہوا کہ نماز میں جب امام..... و لا الضَّالِّينَ..... کہتا ہے تو مقتدیوں کو آمین آہستہ اور خاموشی سے کہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ دعائیہ کلمہ ہے۔ اور مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ آہستہ دعا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ اور بہت زیادہ بلند آواز سے دعا کرنے والوں سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما رہا ہے۔ لہذا زور سے آمین نہیں کہنا چاہیے بلکہ قرآن پر عمل کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور پسندیدگی کا خیال رکھتے ہوئے آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ جب کہ احادیث نبوی کی رو سے آہستہ سے آمین کہنے کا ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ آہستہ آمین کہنے والے کے پچھلے گناہ سارے بخش دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام ولا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہا کرو پس

میں سے اکثر صحیح احادیث نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ آپ نے نو مسلموں کے سکھانے کے لیے ایک دو دفعہ بلند آواز سے فرمادیا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کبھی آپ نے سکھانے کے لیے ظہر کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کر لی۔ تو جس طرح ایک دو مرتبہ سکھانے کی غرض سے ظہر کی نماز میں تلاوت فرمانے پر وہ تلاوت سنت موکدہ نہیں ہو جاتی اسی طرح سکھانے کے لیے ایک دو دفعہ آمین کہنے سے وہ سنت موکدہ نہیں بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت وائل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بلند آواز سے صرف تین مرتبہ کسی (طبرانی فی الکبیر / مجمع الزوائد ص ۱۸۷) جب کہ آخر عمر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے صحابہ کا آمین بلند آواز سے کہنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اور جس حدیث میں حضرت ابن زبیر اور ان کے مقتدیوں کے بلند آواز سے آمین کہنے اور مسجد میں گونج پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ اول تو وہ حدیث بلا سند ہے.....! دوسرا یہ کہ وہ ایک اور حدیث کے متعارض ہے جس میں یہ آتا ہے کہ حضرت ابن زبیر آمین نہیں کہتے تھے (طحاوی جلد اول ص ۱۲۰) لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں اِذَا تَعَارَضَاتْ سَاقَطًا۔

آیت نمبر (۴۱)

قَدْ افلحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ لِنِي صَلَوَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿۴۱﴾

پیشک کامیاب ہو گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔

فائدہ:۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں کامیابی کی بشارت دی ہے۔ خشوع کسے کہتے ہیں.....؟ تو علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ”خشوع“ دل کا بھی فعل ہے اور بدن کا بھی۔ اگر دل سے ہو تو اس کے معنی ہیں اللہ کا خوف اور حضور قلب۔ اور جب جسم کا فعل ہو تو اس کے معنی ہوں گے سکون و طمانیت (فتح الباری شرح بخاری لابن حجر عسقلانی) اب اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو مومن اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ دل میں بھی ان کے خشیت الہی ہوتی ہے اور جسم بھی ان کا پر سکون ہوتا ہے۔ یعنی رکوع اور سجدہ وغیرہ کے وقت بار بار ہاتھ اٹھا کر رفع یدین کر کے نماز کے اندر طمانیت اور سکون کو ختم نہیں کرتے۔ ایسے لوگ کامیاب اور کامران ہیں۔ مفسروں کے سردار اور جلیل القدر صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس آیت میں ”خاشعون“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے بلکہ نماز کو طمانیت اور سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کامیاب ہیں (تفسیر ابن عباس ص ۳۲۳) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی معمول یہی تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی پہلی تکبیر کے علاوہ پوری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں فرمایا (دارقطنی فی العلل بحوالہ حاشیہ داریہ ص ۴۱۵) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول منقول ہے (ابوداؤد جلد اول ص ۷۶ / طحاوی جلد اول ص ۱۳۲ / دارقطنی جلد اول ص ۱۱۱ / مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول

ص ۱۲۱ / مصنف عبدالرزاق) یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کے بارے میں بڑی سختی کے ساتھ صحابہ کو منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اور نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رفع یدین کرنا دیکھ کر بڑی ناراضگی سے فرمایا تم نماز میں شریر گھوڑوں کی دم کی طرح کیا یہ ہاتھ اٹھاتے رہتے ہو۔ نماز میں سکون اور اطمینان سے رہا کرو (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۱ / ابوداؤد جلد اول ص ۱۵۰ / نسائی ص ۱۷۶ / طحاوی جلد اول ص ۱۵۸ / مسند احمد جلد ۵ ص ۹۳) اس حدیث میں نہ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین سے منع فرمایا بلکہ جانوروں کے فعل کے ساتھ اس کو تشبیہ دیکر اس کی کراہت اور اس سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمادیا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حدیث صرف سلام کے وقت جو صحابہ رفع یدین کرتے تھے ان کی ممانعت میں آئی ہے بلکہ وہ حدیث علیحدہ ہے۔ اس حدیث کا تعلق نماز کے اندر رکوع و سجود وغیرہ کے وقت رفع یدین کرنے کی ممانعت سے ہے۔ کیونکہ سلام کے وقت جو رفع یدین ہو گا وہ تو نماز سے باہر ہو گا۔ جب کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں تم کو نماز میں رفع یدین کرنا دیکھتا ہوں نماز میں پر سکون رہا کرو“ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت رکوع و سجود وغیرہ کے وقت نماز کے اندر جو رفع یدین ہوتا ہے اس سے کی جا رہی ہے نہ کہ سلام کے وقت نماز سے باہر جو رفع یدین ہوتا ہے اس سے۔ اس کی ممانعت کے لیے دوسری حدیث ہے۔ جب کہ اس واقعہ اور حدیث کے سلسلہ میں بعض روایات کے اندر صراحتاً موجود ہے کہ صحابہ رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کر رہے تھے۔ تو اس کو دیکھ کر سرکار نے ان کو منع فرمایا اور مندرجہ بالا ارشاد فرمایا (نہایت) پھر چونکہ اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے کے الفاظ عام میں جو رکوع و سجود اور سلام وغیرہ سب کو

شامل ہیں۔ لہذا عمومیت الفاظ کا لحاظ کرتے ہوئے ہر قسم کا رفع یدین اور ان سب مواقع پر رفع یدین کی اس سے ممانعت ثابت ہو جائے گی۔ خلفائے راشدین اور جلیل القدر صحابہ کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں فرمایا (الجوہر النقی جلد اول ص ۱۳۰ / طحاوی جلد اول ص ۱۳۳) چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کے دکھاتا ہوں اور اس نماز میں پہلی مرتبہ کے بعد آپ نے کہیں بھی رفع یدین نہیں فرمایا (ترمذی جلد اول ص ۳۵) اس روایت کے سب راوی صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور لکھا ہے کہ بہت سے اہل علم صحابہ تابعین سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی مذہب ہے کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے۔ امام مالک جو مدینہ میں عمر بھر رہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے عمر بھر کسی کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا (المندونہ الکبریٰ ص ۱۷) بہر حال قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا کہ رفع یدین کرنا نماز میں درست نہیں۔ رفع یدین کے متعلق جو بعض روایات آئی ہیں اول تو ان میں سے اکثر ضعیف ہیں۔ بعض ایسی ہیں کہ ان کے راوی رفع یدین نقل کر رہے ہیں لیکن خود رفع یدین نہیں کرتے۔ بعض ایسی ہیں جس میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے جب کہ سجدہ کی اور دوسری اور چوتھی رکعت کی تکبیر میں رفع یدین کا کوئی بھی قائل نہیں۔ جب کہ رفع یدین کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول و حکم اور ارشاد موجود نہیں۔ اگر کسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا ذکر ہے تو اسی طرح ہمیشہ کرتے رہنے کا ذکر نہیں۔ جب کہ ایک یا دو بار کوئی کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو اس سے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ تو کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سنت و مستحب ہو گیا.....؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کو اٹھا کر نماز ادا فرمائی تو کیا یہ سنت اور مستحب ہو گیا.....؟ ہرگز

نہیں۔ لہذا ایک یا دو بار اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت بھی ہو جائے تو اس سے اس کا سنت اور مستحب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ورنہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام اس سنت پر ضرور عمل کرتے۔ ان کا عمل نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس قسم کی احادیث جن میں رفع یدین کا ذکر ہے وہ ابتدائے اسلام کے زمانہ کی ہیں۔ بعد میں یہ کام ترک ہو گیا تھا۔ بعد میں صحابہ کرام کی اکثریت اس کو سنت نہیں سمجھتی تھی۔ ورنہ وہ اس کو کبھی ترک نہ کرتے۔ بالخصوص وہ صحابی جو خود رفع یدین کی حدیث روایت کر رہے ہیں اور وہ خود رفع یدین نہیں کر رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام پہلے ہوتا تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے نہیں کیا۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ رفع یدین چھوڑنے کی احادیث کے جو راوی ہیں وہ سب فقیہ ہیں جب کہ رفع یدین کے ثبوت کی احادیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر جیسے صحابی ہیں جو اس وقت بچے تھے اور بچہ ہونے کی وجہ سے پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حرکات و سکنات کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لہذا بچوں کے مقابل بڑے معمر اور وہ بھی فقیہ مفسر اور اہل علم صحابہ کی بات زیادہ وزنی اور قابل اعتبار ہوگی۔

آیت نمبر (۴۲)

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتَخَذُوا مَبْفِقًا قُرْبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَ
صَلَّاتِ الرَّسُولِ إِلَّا أَنهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

پتھ دیہاتی ایسے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور جو خرف کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے قرب اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یقیناً ان کے لیے باعث قرب ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (سورہ توبہ پارہ ۱۱ آیت ۹۹)

فائدہ:۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں ایسے لوگوں کی اور ان کے اس فعل

کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے صدقات وغیرہ لوگوں کو اس لیے دیتے ہیں تاکہ وہ اس عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لیں۔ یعنی مسلمان جو اولیائے کرام کی فاتحہ دلاتے ہیں یا ان کے نام کی نذر مانتے ہیں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو غوث پاک کی گیارہویں کرونگا۔ یا فلاں مزار پر چادر چڑھاؤں گا۔ یا فلاں بزرگ کے نام کی دیگ پکا کر کھلاؤں گا تو اس سے مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ یہ خیرات اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جب وہ ثواب دے گا تو وہ ثواب اس ولی کی نذر کروں گا تاکہ اس کی روح خوش ہو جائے اور وہ خوش ہو کر ہمیں دعائیں دیں۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا شرک یا بدعت نہیں بلکہ درست ہے اور رضائے الہی اور اس کے قرب کا باعث ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے قرب اور میرے محبوب کو خوش کرنے اور ان سے دعائیں لینے کے لیے صدقہ کرتا ہے اس کو ضرور میرا قرب ملے گا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے جو صدقہ کیا گیا وہ حرام نہیں ہوا۔ لہذا اولیائے کرام کی ارواح کو خوش کرنے کے لیے جو دیگ پکائی جائے گی یا جو کھانا پکا کر تقسیم کیا جائے گا وہ بھی حرام نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ یقیناً اس ولی کی خوشی اس کے دعا اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنے گا۔ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ کے نام کی منت اور نذر ماننا شرک و بدعت نہیں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور رضا اس کے لیے ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے جب بخیریت واپس تشریف لے آئے تو ایک لڑکی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اس جنگ سے بخیریت واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ آپ نے فرمایا اگر تو نے نذر مانی ہے تو اپنی نذر پوری کر لے اور دف بجالے (مشکوٰۃ باب مناقب عمر) اس حدیث میں لڑکی نے غیر اللہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ

و سلم کے سامنے دف بجانے کی منت اور نذر مانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ نہیں فرمایا کہ تو نے شرک کر دیا بلکہ اس کو پورا کرنے کی اجازت دیدی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کی منت اور نذر مانی اس نیت سے کہ اس کا ثواب اس کو بھیجے گا یا وہ خوش ہو کر مجھے دعا دے گا تو یہ بالکل جائز ہے۔ ہاں البتہ ایک نذر شرعی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ کام میں اس کے لیے عبادت سمجھ کر کروں گا۔ یہ نذر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں۔ اگر کوئی اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی ولی کی نذر مانتا ہے تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے اولیاء کے لیے جو عام مسلمان نذر اور منت مانتے ہیں ان کے وہم و گمان میں دور دور تک اس وقت یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ معاذ اللہ اس ولی کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت کے لیے یہ کام کر رہے ہیں۔ لہذا یہ نذر شرعی نہیں ہوگی بلکہ نذر عرفی کہلائے گی اور اسی طرح ہوگی جیسے کوئی کسی آدمی سے کہے کہ اگر آپ نے میرا یہ کام کرادیا تو میں آپ کو اتنے پیسے نذر کروں گا۔ جس طرح یہ کہنا جائز ہے اسی طرح اولیائے کرام کے لیے بھی نذرانہ اور ثواب کے ہدیہ کے طور پر نذر ماننا درست اور صحیح ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ ہاں البتہ مشرکین عرب اپنے جانوروں اور کھیتوں میں سے کچھ حصہ اپنے بتوں کے لیے علیحدہ نکال لیتے تھے اور ان کی نذر کو شرعی مانتے تھے یعنی ان کی عبادت کی نیت سے وہ حصہ ان کے نام کے ساتھ مختص کر دیا کرتے تھے۔ اس کی قرآن نے وَ جَعَلُوا لِلَّهِ مَا فَرَّادًا مِنَ الْعَرَبِ فرما کے مذمت کی اور اس کو شرک بتایا۔ لیکن ظاہر ہے مسلمان اپنے نبیوں اور ولیوں کے لیے اس قسم کی نذر نہیں مانتے۔ بلکہ وہ جو کچھ صدقہ و خیرات کرتے ہیں وہ عبادت اللہ کے لیے ہے لیکن ثواب اس ولی کو پہنچاتے ہیں۔ اور یہ جائز ہے۔

آیت نمبر (۴۳)

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ حَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ الثَّرَاءَ عَلَىٰ

اللّٰهُ قَدْ ضَلَّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

پیشک تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو نا، انی اور جہالت سے قتل کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام کر لیا اللہ تعالیٰ پر تہمت لگاتے ہوئے پیشک وہ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔ (الانعام ۱۱۶-۱۱۷)

فائدہ:۔۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ اور اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کا عقیدہ بیان کیا اور پھر ان کی تردید کی۔ فرمایا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اپنے جانوروں اور کھیتوں میں سے کچھ حصہ اپنے بتوں کے نام پر نکال لیا کرتے تھے۔ اور پھر اس حصہ کو کھانا حرام سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو کھانا وغیرہ ہم نے بتوں کے نام پر کر دیا ہے اس کا کھانا فلاں فلاں کو جائز نہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان اور تہمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام نہیں کیا تو تم کیسے کہتے ہو کہ یہ چیزیں حرام ہو گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں پر یا جن کھانوں پر بتوں کا نام عبادت سمجھ کر لے دیا جائے یا بتوں کی نذر مان لی جائے اگرچہ یہ فعل شرک ہے لیکن ان کے اس فعل کی وجہ سے وہ کھانا حرام نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو اس کا کھانا جائز ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آج بھی کافر سائنڈ وغیرہ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں مسلمانوں کو اس کا ذبح کر کے کھانا جائز ہے۔ اس آیت سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ جب کسی جانور یا کھانے پر مکمل شرک کرتے ہوئے بتوں کا نام بطور عبادت لیا جائے اور بتوں کی ان پر نذر مان لی جائے تب بھی وہ جانور اور کھانا مسلمانوں کے لیے حرام نہیں ہوتا تو جس فاتحہ کے کھانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ یا غوث پاک کا یا کسی ولی اور بزرگ کا نام لے دیا جائے یا کسی جانور پر کسی بزرگ کی نذر مان لی جائے تو اس کا کھانا بھی مسلمانوں کے لیے حرام نہیں ہوگا۔ جب کہ یہاں تو اس جانور یا کھانے پر بطور شرک کے یعنی اس نبی یا ولی کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کے لیے یہ چیزیں اس کے

نام پر مختص نہیں کی جاتیں۔ بلکہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہیں اور اس کا ثواب ان نبیوں و لیوں کو پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ تو اس کے حرام ہونے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں بنتی۔ جب بتوں کے نام والی چیزیں حرام نہیں ہوتیں تو اولیاء کے نام والی چیزیں کیسے حرام ہو جائیں گی۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت سعد نے ایک کنواں اور اس کا پانی اپنی ماں کے لیے وقف کیا اور اس پر اپنی ماں کا ذکر کیا لیکن وہ پانی حرام نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کا ثواب میری ماں کو پہنچے۔ آج بھی فاتحہ وغیرہ میں مسلمانوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کھانے وغیرہ کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور ثواب اس نبی یا ولی کو بھیجا جاتا ہے۔ تو نہ اس عمل میں کوئی خرابی ہے اور نہ اس عمل کے باعث وہ کھانا حرام ہوتا ہے۔

قرآن میں ایک مقام پر آتا ہے..... اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالتَّمَ وَالنَّعْمَ
 الْخَنِزِيرَ وَمَا اٰهْلَ بِهِ لغيرِ اللّٰهِ..... اللہ نے تم پر یہی چیزیں حرام کی ہیں مردار اور
 سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس آیت میں ”وما اہل
 بہ لغير اللہ“ کے لفظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ جس چیز پر غیر اللہ کا نام
 لے دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ لہذا کھانے پر غوث کا نام لیا گیا تو کھانا حرام ہو جائے
 گا۔ یاد رکھیے ”وما اہل بہ لغير اللہ“ کے یہ ہرگز معنی نہیں کہ جس چیز پر غیر اللہ کا نام
 لیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس جانور پر ذبح کرتے وقت
 غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ لہذا کسی جانور پر ذبح کے علاوہ یا کسی
 کھانے پر کسی غیر خدا کا کتنا ہی نام کیوں نہ لیا جائے وہ کھانا حرام نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ
 اوپر والی آیت سے ثابت ہو گیا کہ بتوں کا بطور عبادت کے بھی اگر نام لے دیا جائے
 تب بھی وہ جانور حرام نہیں ہوتا بلکہ اس کا کھانا مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ ”وما اہل
 بہ لغير اللہ“ کے یہ معنی کرنے کہ جس پر غیر خدا کا نام آجائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ یہ

عقل کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ ہزاروں چیزوں پر غیر خدا کا نام آتا ہے جیسے دریائے سندھ کا پانی، زید کی بیوی، حامد کا بکرا، خالد کا کھانا، ناصر کا کرتا، فاخر کا پاجامہ وغیرہ اس طرح تو پھر دنیا میں کوئی چیز بھی جائز نہیں رہے گی سب کی سب حرام ہو جائیں گی۔

آیت نمبر (۴۴)

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا نَاتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ○ (النور: ۴۴)

اور عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحمت رکھ دی اور ترک دنیا کا طریقہ انہوں نے یہ بدعت اپنی طرف سے نکالی تھی ہم نے ان پر مقرر نہیں کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے نکالی تھی پھر اسے نبھایا نہیں جیسا اسے نبھانے کا حق تھا تو ان کے مومنوں کو ہم نے ان کا ثواب عطاء کیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

فائدہ:۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دین میں کسی نئی اچھی چیز

کا یعنی بدعت حسنہ کا نکالنا برا کام نہیں بلکہ اچھا کام ہے اور باعث ثواب ہے۔ بلکہ اس آیت سے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جب کوئی نئی چیز اور اچھی بدعت نکالی جائے تو پھر اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ اس پر پابندی سے عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو ترک دنیا پر یعنی دنیا کو چھوڑ کر غاروں اور پہاڑوں میں بیٹھنے کا ایک نیا طریقہ اور بدعت جو انہوں نے نکالی تھی اس پر ان کو ثواب عطاء فرمایا۔ اور جنہوں نے اس نئی اچھی بدعت پر عمل نہیں کیا ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ اچھے کام نہ کر کے وہ فاسق ہو گئے۔ لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر نئی چیز اور ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعت حسنہ (اچھی بدعت)

ہوتی ہیں اور بعض بدعت مَبْتَدِئَاتُ (بری بدعت) ہوتی ہیں۔ دین میں ایسی نئی چیزیں پیدا کر لینا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے ہوں اور دین کے خلاف نہ ہوں وہ اچھی بدعتیں کہلاتی ہیں۔ ان بدعتوں کو نکالنے والے اور ان پر عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ثواب عطاء فرماتا ہے۔ اور ان پر عمل کرنے اور ان کو نبھانے کا حکم دیتا ہے۔ اور دین میں جو باتیں اور بدعتیں ایسی پیدا کر لی جائیں جو دین کے خلاف ہوں۔ اور سنت کو مٹانے اور دین کو بدلنے والی ہوں تو ایسی بدعتیں بدعت مَبْتَدِئَاتُ کہلاتی ہیں۔ ان بدعتوں کو نکالنے والے اور ان پر عمل کرنے والے سب اللہ تعالیٰ کے سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے (اشعۃ اللمعات باب الاعتصام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی قرآن کے اس ارشاد کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اور بدعت حسنہ نکالی پھر اس پر عمل بھی کیا گیا تو جتنا اجر و ثواب اس بدعت پر عمل کرنے والوں کو ہوگا اتنا ہی ثواب اس بدعت اور نئے طریقہ کے ایجاد کرنے والے کو بھی ہوگا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں ذرہ برابر کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا پھر اس کے بعد اس پر عمل بھی کیا گیا تو جتنا گناہ اس بری بدعت پر عمل کرنے والوں کو ہوگا اتنا ہی گناہ اس کے ایجاد کرنے والے کو بھی ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی (صحیح مسلم جلد دوم ص ۴۳۱) اسی طرح ایک اور حدیث مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا طریقہ نکالا جو دین میں سے نہیں وہ مردود ہے (مشکوٰۃ باب الاعتصام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر نیا طریقہ برا ہے بلکہ فرمایا جو نیا طریقہ ہمارے دین کے خلاف ہو وہ برا ہے۔ معلوم ہوا کہ دین میں ہر نئی چیز کا نکالنا اور ہر بدعت حرام اور ناجائز نہیں بلکہ وہ بدعتیں اور وہ نئی چیزیں جس کا دین میں سے کوئی ثبوت نہ ہو۔ بلکہ دین کے

خلاف ہو اور جس سے کوئی سنت مٹ جاتی ہو اس بدعت کا نکالنا اور اس پر عمل کرنا حرام اور گناہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر نئی چیز جو دین میں نکالی جائے وہ حرام ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کل بدعہ ضلالہ“ کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ ان کا یہ کہنا درست نہیں اور نہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کیونکہ اگر ان کا یہ کہنا درست ہو اور حدیث کے یہ معنی ہوں کہ ہر نئی چیز حرام اور گمراہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو دین میں نکالی ہوئی ان کی نئی چیز پر کیوں تعریف کی اور کیوں ثواب ان کو عطاء فرمایا۔ اور اوپر بیان کردہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ جو نئی اچھی چیز نکالے گا اس کو ثواب ملے گا۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کے معنی یہ نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ دین میں جو بری چیز نکالے گا وہ گمراہی ہے اور وہ حرام کام ہے۔ اسی طرح اگر ان کا یہ کہنا درست ہو کہ ہر نئی چیز اور ہر بدعت حرام ہے تو پھر تو بہت سی ایسی چیزیں جو دین میں نئی نکالی گئی ہیں اور سب ان کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کر رہے ہیں وہ سب حرام ہو جائیں گی۔ مثلاً قرآن کے اعراب، رکوع، خوبصورت جلدیں، مساجد کے مینار، دینی مدارس میں مخصوص کتابوں کی تدریس، اوقات تدریس کا تعین، سالانہ ششماہی امتحانات، حدیث کی قسمیں بیان کرنا، بلکہ اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ کے قواعد و ضوابط، سحری کے وقت روزہ کی زبان سے نیت کرنا، ہوائی جہازوں کے ذریعہ سفر حج اور عمرہ کرنا، تصوف کے چاروں سلسلے نقشبندی، قادری، چشتی، سروردی یہ سب چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں۔ یہ سب دین میں نئی چیزیں پیدا کی گئی ہیں اگر دین میں پیدا کی گئی ہر نئی چیز حرام ہو تو یہ سب حرام ہو جائیں گی۔ حالانکہ ان کو کوئی حرام نہیں کہتا بلکہ یہ سب لائق اجر و ثواب ہیں۔ اسی طرح میلاد شریف کے جلسے جلوس، گیارہویں، بارہویں، معراج شریف، عرس بزرگان دین کی محفلیں، ’’ناہ‘‘

ختم، تیجہ، چالیسواں، دسواں، چہلم، ایصالِ ثواب، قبر پر اذان، شبِ برات میں حلووں پر فاتحہ، اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنا اور اس جیسے بہت سے نیک کام جو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس ہیئت اور طریقہ کے ساتھ نہیں بھی تھے اور بعد میں لوگوں نے ایجاد کر لیے ہیں تب بھی یہ حرام اور ناجائز نہیں۔ بلکہ اسی طرح جائز اور لائقِ ثواب ہیں جس طرح علمِ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ اور قرآن کے پاروں پر رکوع اور اعراب لگانا یا مدارس قائم کرنا جائز اور لائقِ ثواب ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور عقل و نقل سے ثابت ہو چکا کہ ہر وہ نئی چیز اور بدعتِ حرام ہے جو دین کے خلاف ہو اور سنت کو مٹانے والی ہو۔ جب کہ یہ تمام چیزیں نہ دین کے خلاف ہیں اور نہ سنت کو مٹانے والی ہیں بلکہ غور کیا جائے تو اس میں سے اکثر چیزیں سنتوں کو قائم اور تازہ کرنے والی ہیں۔ لہذا قرآن و حدیث کی رو سے نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہوں گی بلکہ لائقِ ثواب ہوں گی اور قرآن کے ارشاد کے مطابق تو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ان نئی اچھی بدعتوں کو نبھانا چاہیے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ بلکہ اس پر پابندی سے عمل کرنا چاہیے۔ ان پر عمل کرنے والے قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں اور عمل نہ کرنے والے ناپسندیدہ اور فاسق لوگ ہیں۔

آیت نمبر (۴۵)

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ

اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہاں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا (سورہ انبیاء پارہ ۷ ار آیت ۹۱)

فوائد:۔۔۔۔ اس آیت مبارکہ سے کئی فائدے حاصل ہوئے ☆ پہلا

فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ اس آیت کے تحت مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پھونک مارنے سے اور سانس لینے سے پاک ہے۔ دراصل حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پھونک ماری تو وہ حاملہ ہو گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم نبی ان کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ تو دراصل پھونک ماری جبریل نے اور یہ فعل تھا جبریل کا لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو اپنی طرف نسبت دے کے فرمایا کہ ہم نے پھونک ماری۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے فتانی اللہ کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ ان کا کام پھر اللہ کا کام ہوتا ہے ان کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے ان کی منشا اللہ تعالیٰ کی منشا ہوتی ہے ان کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہوتا ہے۔ اسی چیز کو متعدد مقامات پر قرآن میں بیان کیا گیا۔ اپنے محبوب کے لیے اللہ تعالیٰ نے کہیں فرمایا کہ جس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی (سورہ فتح) کہیں فرمایا کہ آپ نے جب کنکریاں پھینکیں تو آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ نے پھینکیں (انفال آیت ۱۷) حدیث قدسی میں اس مقام کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا بندہ نوائس کے ذریعہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (صحیح بخاری بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب الیہ)

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک ہے وہ بندہ کے آنکھ کان ہاتھ پیر بن جاتا ہے اس کا کیا مطلب.....؟ تو اس کے معنی یہی ہیں کہ کان اس کے ہوتے ہیں لیکن اس میں بھی طاقت خدا کی آجاتی ہے۔ اسی طرح آنکھ ہاتھ پیر بندے کے ہوتے ہیں لیکن اس میں طاقت خدا کی آجاتی ہے۔ اور اس کے وہ افعال پھر خدا کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ سننا دیکھنا خدا کا ہوا تو پھر خدا سے کوئی چیز مخفی

نہیں۔ دور و نزدیک کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پھر اولیاء کرام بھی دور و نزدیک یکساں دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ اور فاصلے ان کے سامنے سمٹ جاتے ہیں اور جس طرح وہ قریب پہنچ کر مدد کر سکتے ہیں۔ اسی طرح دور بھی پہنچ کر مدد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اب ان کے ہاتھوں پیروں میں خدا کی طاقت آگئی ہے اور انکا فعل خدا کا فعل ہو گیا ہے۔ لہذا اب اولیاء کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کہنا کہ وہ کچھ نہیں سنتے، کچھ نہیں دیکھتے، کچھ نہیں دے سکتے، کچھ نہیں کر سکتے، کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچ سکتے، یہ دراصل اب ان کے فعل پر اعتراض نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فعل پر اعتراض ہے۔ یہ ان کی توہین نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توہین ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے اولیاء سے عداوت رکھے وہ مجھ سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۹۷) لہذا اولیاء کی توہین اور گستاخیاں کر کے اللہ تعالیٰ سے جنگ اور اس کی دشمنی مول نہیں لینی چاہیے۔

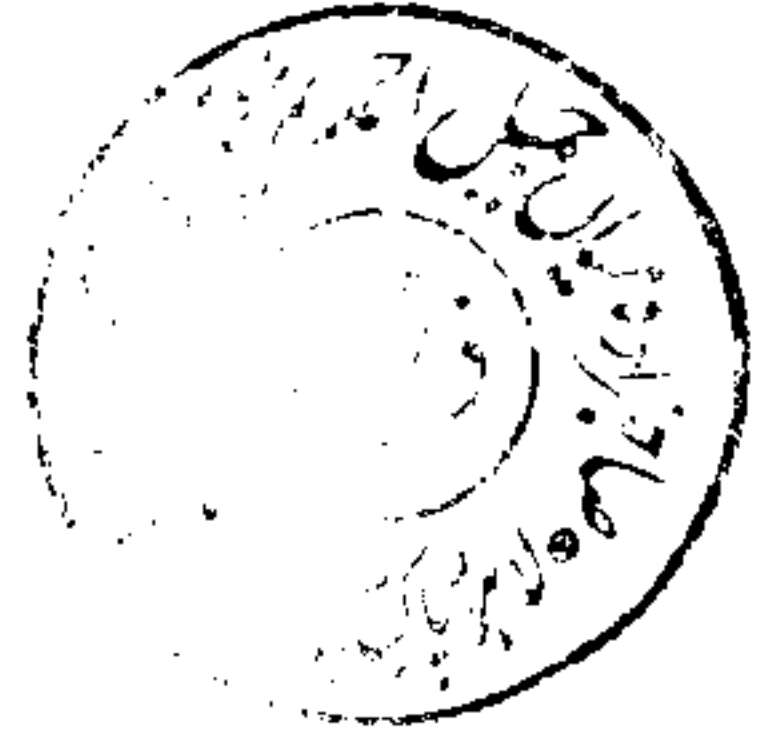
☆ دوسرا فائدہ اس آیت سے یہ حاصل ہوا کہ حضرت جبریل کے دم سے حضرت بی بی مریم حاملہ ہو گئیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دم درود جھاڑ پھونک بڑا اثر رکھتے ہیں اور بہت فائدہ پہنچاتے ہیں۔ لہذا اولیائے کرام جو دم درود اور جھاڑ پھونک اور تعویذ وغیرہ کے ذریعہ جو روحانی علاج کرتے ہیں وہ شرک و بدعت نہیں اور نہ ہی توحید کے خلاف ہے۔ بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام کی سنت ہے اور اس سے مرادیں بر آتی ہیں اور مشکلیں آسان ہوتی ہیں اور بیماروں کو شفا نہیں ملتی ہیں۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کی سنت ہے۔ کیونکہ پھوڑے پھنسی کی ایک دعا حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر بتائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پڑھ کر جھاڑا تو حضور کو شفاء حاصل ہو گئی (مسلم ص ۲۸۹) صحابہ کی بھی یہ سنت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں صحیح حدیث ہے کہ کچھ صحابہ کرام ایک سفر پر جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مقام پر کسی قبیلہ کے سردار کے

بچھونے کاٹ لیا۔ انہوں نے ان صحابہ سے کہا کہ آپ کے پاس اس کا کوئی علاج ہے تو ایک صحابی نے کہا کہ ہاں میرے پاس ہے بشرطیکہ تم مجھے اس کا معاوضہ دو۔ چنانچہ معاوضہ میں کچھ بکریاں دینی طے ہو گئیں۔ اور ان صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر جب اس سردار پر دم کیا تو وہ اسی وقت شفایاب ہو گیا۔ جب ان صحابہ کو بکریاں ملیں تو انہوں نے کہا کہ جب تک ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت نہیں کر لیں گے اس وقت تک ان بکریوں کو آپس میں تقسیم نہیں کریں گے۔ جب یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے صحیح کیا اور مسکراتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ان بکریوں میں ہمارا حصہ بھی رکھ لینا (صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب ما يعطى فى الرقيق، جلد دوم ص ۳۰۳)

اس سے ثابت ہوا کہ دم درود اور جھاڑ پھونک شرک و بدعت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت ہیں۔ اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تصدیق بھی موجود ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دم درود اور تعویذ وغیرہ پر معاوضہ لینا بھی جائز ہے۔

اب بعض روایات میں جھاڑ پھونک اور دم درود اور تعویذ گنڈے وغیرہ سے جو منع کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے مراد وہ جھاڑ پھونک اور تعویذ ہیں جو شرکیہ اور کفریہ الفاظ اور منتر وغیرہ پر مشتمل ہوں۔ لیکن قرآنی آیات احادیث یا کسی اچھے دینی کلام کو پڑھ کر جو دم درود کیا جاتا ہے وہ اس سے مراد نہیں۔ کیونکہ اگر ہر قسم کا دم درود شرک اور کفر ہوتا تو حضرت جبریل دم کیوں کرتے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو ایسے مشرکانہ کام کی اجازت کیوں دیتے اور ایسے حرام اور شرکیہ کام کے ذریعہ جو حرام کی آمدنی ہوئی تھی اس میں مسکرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا حصہ رکھنے کے لیے کیوں فرماتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شرکیہ کلمات پر مبنی دم درود

اور تعویذ حرام ہے اور غیر شرکیہ کلام پر مبنی دم درود اور تعویذ نہ شرک ہے نہ حرام بلکہ جائز ہے۔ اور حضرت جبریل اور صحابہ کی سنت ہے۔



صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر کی دیگر تصنیفات

- (۱) سندھ کے صوفیائے نقشبندیہ (دو جلدیں)
- تصوف کی تعریف، اہمیت، فضیلت اور تمام سندھ کے نقشبندی صوفیاء کے حالات
- (۲) بزم جانناں :- پاک و ہند کی عظیم روحانی شخصیات حضرت خواجہ محمد رکن الدین اور حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوریؒ کے حالات
- (۳) تجلیات ضیائے معصوم :- افغانستان کی ایک عظیم روحانی شخصیت حضرت خواجہ ضیائے معصوم کابلی افغانی اور انکے آباؤ اجداد اور انکی اولاد امجاد کے حالات
- (۴) جدید طبی مسائل کا شرعی حل :- پلاسٹک سرجری، اعضاء کی پیوند کاری، بیوی کو خون دینا، الکحل ملی دواؤں کا حکم روزہ میں انجکشن اور ڈرپ وغیرہ کا حکم
- (۵) درس قرآن :- بعض اہم عقائد و اعمال سے متعلق منتخب آیات کا ترجمہ اور مختصر سی تفسیر پر مشتمل تربیتی نصاب
- (۶) درس حدیث :- بعض اہم عقائد و اعمال سے متعلق منتخب احادیث کا ترجمہ اور تشریح پر مشتمل ایک تربیتی نصاب
- (۷) حق نبی :- ایک علمی بحث مقتدر علماء کی تصدیقات کے ساتھ
- (۸) رحمۃ للعالمینؐ کی دعائیں :- مختلف مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول معتبر دعاؤں کا مجموعہ

(۹) فتاویٰ :- مختلف فقہی موضوعات پر لکھے ہوئے سوالوں کے محققانہ اور دلائل سے مرصع جوابات

4967

رکن الاسلام پبلیکیشنز :- آزاد میدان حیر آباد

اسٹاکسٹ محمودیہ بک فاؤنڈیشن بالستان، لائٹ سیماسیدر آباد